ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

افسوس ہے کہ کئی دور کا جو اسوہ سب سے زیادہ قابل توجہ تھا وہ نہ صرف یہ کہ ہمارے ذہنوں سے محو ہوتا چلا جا رہا ہے بلکہ اب اسی ایمان افروز اور استقامت آموز دور کے نام کو بالکل الٹے مقاصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ نہیں معلوم اس دور کا اسوہ اور پیغام کیا سمجھا جاتا ہے؟ اس دور کا تو جو پیغام قرآن کی زبان سے سننے میں آتا ہے وہ "فاصدع بما تؤمر" اور "لا ترکنوا الی الذین ظلموا" کا پیغام ہے۔ اس کا جو اسوہ سیرت کے صفحات پر نقش دکھائی دیتا ہے وہ تو یہ ہے کہ حق پرستی کے لئے استقامت کا اور بار بار تعذیب کا سود سے بالفاظ دیگر اس صدائے مسلسل بلند کئے چلے جانے کا اسوہ ہے جو ماحول کے لئے بالکل غریب (اجنبی) اور وقت کے جباروں کے لئے سب سے زیادہ ناگوار صدا تھی۔ آج یہ پیغام تو دنیوی مصالح کے صحرائے بیکراں میں گم ہو چکا ہے اور اب اس سے اپنی اپنی خواہش کے مطابق دنیوی مفاد کی آسانیاں فراہم کرنے کا کام لیا جا رہا ہے اور اس اطمینان کے ساتھ لیا جا رہا ہے کہ یہی حکمت کی اور اعتدال کی راہ ہے جو مومن کو "جنت عدن" تک پہنچائے گی۔ "مصلحت و مفاد" کے پیچھے پیچھے آخر غریب اسلام کو کہاں تک گھسیٹا جائے گا؟

(مولانا صدرالدین اصلاحیؒ)

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ پر

ماہنامہ حیاتِ نو کی خصوصی پیشکش

ان شاء اللہ ماہنامہ مجلہ حیات نو مولانا صدر الدین اصلاحیؒ
کی حیات و خدمات پر خصوصی شمارہ شائع کرے گا۔ الحمد للہ اس کی
[illegible] مولانا کی عہد ساز شخصیت کے تعارف،
[illegible] میں کلیدی رول
[illegible] وسیع اور جامع
[illegible] جلد
[illegible] بھی گزارش ہے کہ
[illegible] کسی قسم کا دستاویزی مواد (خطوط، انٹرویو،
مراسلے، میگزین، کیسٹ، فوٹو، یادداشت وغیرہ) اگر آپکے پاس ہوں
تو اصل یا فوٹو کاپی روانہ فرمائیں۔ اخراجات بذمہ ادارہ ہوگا۔

پتہ

دفتر حیات نو

جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڑھ۔ ۲۷۶۱۲۱ (یو.پی)

فون: 05466-25115

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

جلد نمبر ۱۵ | ربیع الاول ۱۴۲۰ھ — جولائی ۱۹۹۹ء | شمارہ نمبر ۷

مدیر مسئول	مدیر	مدیر معاون
نور محمد فلاحی	عبد البر اثری فلاحی	انیس احمد فلاحی

- سالانہ زرتعاون : 50.00 روپے
- خصوصی زرتعاون : 100.00 روپے
- بیرون ملک : 25.00 امریکی ڈالر
- طلبہ کے لیے : 40.00 روپے
- اعزازی زرتعاون : 000.00 روپے
- قیمت فی شمارہ : 5.00 روپے

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ "مجلہ حیات نو" جامعۃ الفلاح،
بلریاگنج، اعظم گڑھ 276121 (یو.پی) فون نمبر 25115 - 05466

نقوشِ حیاتِ نو

• اداریہ		
موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس	عبدالمبر اثری فلاحی	۳
• بحث ونظر		
عقل ونقل میں ربط وتقابل	عبیداللہ عبید فلاحی	۷
• مذاہب عالم		
جین مت	انیس احمد فلاحی مدنی	۳۳
• سیر وسوانح		
ذکر جلیل ضمیمہ (۴)	عبدالمبر اثری فلاحی	۳۵
• فقہ وفتاویٰ		
عورتوں کا اپنے ناک کے ساتھ خاوند کا نام جوڑنا کیسا ہے؟	ابو اسد قمر فلاحی	۴۰
• شعر وسخن		
دعا	عطا عابدی	۴۴
تعارف وتبصرہ		
نقوش راہ	ابو عبدالرحمن عمار فلاحی	۴۱
• جامعہ کے لیل ونہار		
دوسری ششماہی کا آغاز	ادارہ	۴۶
مرکزی لائبریری کی افتتاحی تقریب		
• روداد انجمن		
ساتواں اجلاس، سمینار	سکریٹری انجمن	۴۸

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

شیخ عبدالعزیز بن باز

عبدالمبر اثری فلاحی

۱۳ مئی ۱۹۹۹ء بروز جمعرات شیخ بن باز مفتی اعظم سعودیہ عربیہ اللہ کو پیارے ہو گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، آپ کی رحلت صرف سعودی مملکت کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ اور عالم اسلام کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، کیونکہ آپ اپنے علم وفضل، اخلاص وللہیت، زہد وتقویٰ، بے نفسی واستغنا، جرأت وبیباکی، وسیع النظری وکشادہ ظرفی، مہمان نوازی وفیاضی، علم دوستی وغریب پروری، فیض رسانی وخیر خواہی میں یکتائے زمانہ تھے۔ سارا عالم آپ کا مداح تھا، چنانچہ ساٹھ کی دہائی میں جب مولانا مودودی نے عرب ممالک کا سفر کیا تھا اس وقت شیخ کی محبوبیت کا یہ حال تھا کہ آپ کے رفیق سفر مولانا محمد عاصم صاحب "سفرنامہ ارض القرآن" میں لکھتے ہیں:

"شیخ (بن باز) کی محبوبیت کا یہ حال ہے کہ ہم نے اپنے سفر کے دوران سعودی مملکت کے اندر بھی اور اس کے باہر دوسرے عرب ملکوں میں بھی کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا آدمی ایسا نہیں پایا جو ان کے علم، اخلاص اور حق گوئی کا قائل اور مداح نہ ہو" (ص ۷۷)

شیخ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کو ریاض میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں قرآن حفظ کر لیا تھا، شیخ عبدالوہاب نجدیؒ کے آل واحفاد سے دیرینہ خاندانی تعلقات تھے، اسی سلسلے کے مشائخ سے کسب فیض کیا، سولہ سال کی عمر میں بصارت متاثر ہوئی اور بیس سال کی عمر میں بینائی سے یکسر محروم ہو گئے تھے لیکن اللہ نے اس آزمائش کے ساتھ ساتھ بے پناہ بصیرت سے نوازا تھا، حافظہ غضب کا تھا جو چیز سن لی یادداشت میں محفوظ ہو جاتی تھی، آیات کریمہ، احادیث نبویہ اور شرعی مسائل کا اس قدر استحضار تھا کہ کوئی استفتاء پیش کیا جاتا تو فوراً نصوص شرعیہ کے حوالوں کے ساتھ اس کا جواب مرحمت فرما دیتے، چنانچہ آپ کے فتاویٰ کی تعداد ہزاروں کو پہنچتی ہیں جن کی کچھ جلدیں مرتب ہو کر شائع ہو چکی ہیں لیکن ابھی بیشتر کا مرتب ہو کر منظر عام پر آنا باقی ہے۔ سعودی ریڈیو پر بھی

روزانہ آپ سے سوال و جواب کا پروگرام "نور علی الدرب" کے نام سے نشر کیا جاتا تھا، خود یہ بھی ایک خاصے کی چیز تھی۔

قرآن سے آپ کو بے انتہا شغف تھا، حفظ قرآن کی خصوصی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ "تفسیر ابن کثیر" کا درس بھی آپ کے معمولات میں تھا۔

احادیث پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، سند و متن دونوں پہلوؤں پر آپ ادراک رکھتے تھے اور ضرورت پڑنے پر بڑی فاضلانہ بحث فرماتے تھے جس کا اندازہ مختلف موضوعات پر آپ کے رسائل، استدراکات اور نقد سے لگایا جا سکتا ہے۔

فقہ و فتاوی میں آپ مجتہدانہ شان کے حامل تھے، ہمیشہ قرآن و سنت کی روشنی میں فتوے صادر فرماتے گرچہ آپ مسلکاً حنبلی تھے لیکن قرآن و سنت کی روشنی میں بعض معاملات میں آپ نے اپنے مسلک سے ہٹ کر بھی فتوے دیئے ہیں جس کی بے شمار مثالیں آپ کے فتاوی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

آپ نے چھوٹی بڑی بہت سی مفید علمی و دعوتی کتابیں تالیف کی ہیں جس کا کچھ اندازہ ذیل کی مختصر فہرست سے کیا جا سکتا ہے۔

[۱] اقامة البراهين على حكم من استغاث بغير الله أو صدق الكهنة و العرافين

[۲] التحذير من البدع [۳] التحقيق و الايضاح معروف بـ (توضيح المناسك)

[۴] ثلاث رسائل في الصلوة [۵] الجهاد في سبيل الله

[۶] الجواب المفيد في حكم التصوير

[۷] حكم الاسلام فيمن طعن في القرآن أو في رسول الله ﷺ

[۸] حكم السفور و الحجاب ونكاح الشغار

[۹] حواشي فتح الباري شرح صحيح البخاري

[۱۰] الدروس المهمة لعامة الأمة [۱۱] الدعوة إلى الله و أخلاق الدعاة

[۱۲] رسالتان موجزتان في الزكوة و الصيام

[۱۳] الشيخ محمد بن عبد الوهاب : دعوته و سيرته

[۱۴] العقيدة الصحيحة و ما يضادها [۱۵] فتاوى مهمة في الحج و العمرة

[۱۶] الفوائد الجلية في المباحث الفرضية [۱۷] نقد القومية العربية

[۱۸] وجوب تحكيم شرع الله و نبذ ما خالفه

[۱۹] وجوب العمل بسنة رسول الله ﷺ و كفر من انكرها

[۲۰] وجوب لزوم السنة والحذر من البدعة

ان میں سے بیشتر کتب کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں وہ چھپ کر تقسیم بھی کیے گئے ہیں جن سے ان تصانیف کی ضیا پاشیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

علمی، فکری اور شرعی رہنمائی کے ساتھ ساتھ آپ نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ سعودی حکومت اور بعض اہل ثروت کے تعاون سے پوری دنیا میں دعاۃ اور مبلغین کا جو جال پھیلا ہے وہ آپ ہی کا رہین منت ہے، آپ اپنی آمدنی بھی اسی کار کے لئے بے دریغ خرچ کرتے تھے حتی کہ بسا اوقات قرض کی نوبت بھی آجاتی تھی۔ خصوصاً غیر مسلموں میں کام پر آپ زیادہ توجہ مبذول رکھتے تھے، چنانچہ آپ کے ہاتھوں کافی تعداد میں لوگ مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ مختلف ممالک میں اسلامی مراکز اور دعوتی سنٹر کے قیام میں آپ کا نمایاں رول ہے۔

دنیا بھر کی تحریکات اسلامی سے اور ان کے قائدین سے آپ خصوصی رابطہ رکھتے تھے، ان کی لمحہ لمحہ پیش رفت سے باخبر رہتے اور ممکنہ تعاون فرماتے، کہیں سے کوئی ملنے آتا تو تفصیلی حالات و کوائف سے آگاہی حاصل کرتے ایسا لگتا جیسے کوئی امیر یا کمانڈر اپنے ایک ایک رفیق سفر کے احوال سے واقفیت کے لیے فکر مند ہو۔

سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف صاحب سے آپ کو خصوصی راہ و رسم تھی، جب بھی تشریف لے جاتے وہ انہیں اپنا خصوصی مہمان بناتے اور جملہ مسائل پر تبادلہ خیال فرماتے۔ جماعت پر ظلم و ستم کے احوال سن کر تڑپ تڑپ جاتے جیسے کسی نے انہیں پر ظلم ڈھایا ہو۔ مگر یہ عقیدہ اور ایمان کا رشتہ تھا جس نے انہیں اس قدر قریب کر دیا تھا اور بے چین بنا دیا تھا۔ خود ذمہ داران جماعت اور وابستگان تحریک بھی مرحوم کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور

ان کے لیے اپنے دل میں اسی طرح کے جذبات رکھتے تھے۔

شرک و بدعات کے آپ شدید مخالف تھے۔ ہر قیمت پر ان کا قلع قمع کرنا ضروری سمجھتے تھے، آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ کسی طرح یہ سر نہ اٹھانے پائے، خواہ آپ کی اس سعی و جہد کی زد کسی پر پڑتی ہو۔ مولانا محمد عاصم صاحب کا نقل کردہ ایک واقعہ مرحوم کی اس صفت پر دلالت اور جرأت و حق گوئی کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ لکھتے ہیں

"۴۹ء میں جب میں اور مولانا مسعود عالم صاحب مرحوم ریاض آئے تھے تو ایک روز شام کے وقت ہم لوگ مفتی اکبر شیخ محمد ابراہیم کے مکان پر بیٹھے ہوئے تھے، آل شیخ کے علاوہ شیخ عبد العزیز بن باز بھی موجود تھے، ان دنوں پاکستان میں سعودی حکومت کے سفیر سید عبد الحمید خطیب تھے، سب لوگ ان کی دینداری کی تعریف کر رہے تھے، شیخ عبد العزیز بولے سید عبد الحمید خطیب کی میں بھی عزت کرتا ہوں اور پاکستان میں ان کی سرگرمیوں کا حال سن کر بڑی مسرت ہوتی ہے مگر انھوں نے رمضان کے "امساکیہ" (نقشہ افطار و سحر) میں سلطان اور ولی عہد کی تصویر چھاپ کر برا کیا ہے، یہ چیز اچھی نہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ آگے چل کر ان کی پرستش شروع ہو جائے۔ (سفرنامہ ارض القرآن، ص ۷۶)

دینی غیرت و حمیت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی چنانچہ جب کبھی اعداء اسلام کی طرف سے اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا آپ سینہ سپر ہو جاتے اور بروقت اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے، چنانچہ پردہ پر وار ہوا تو آپ نے لاجواب رسالہ تحریر فرمایا۔ مخلوط تعلیم کی حمایت میں قلم اٹھایا گیا تو آپ نے اس کا تعاقب فرمایا، اسی طرح پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی اسلام پر ظلم و زیادتی کا بازار گرم کیا جاتا آپ فوراً اس کے خلاف آواز اٹھاتے، چنانچہ ہندوستان میں سرکار نے جبراً نس بندی شروع کی تو آپ نے احتجاج کیا، صومالیہ میں اہل حق کو جلایا گیا تو آپ نے پرزور مخالفت کی، زبانی جمع و خرچ پر ہی اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ مظلومین و مستحقین کا ہر ممکن تعاون فرماتے تھے اور دوسرے اہل خیر حضرات کو متوجہ کرتے رہتے تھے۔

آپ کے یہی اوصاف و خصائل تھے کہ آپ کو "الوالد الجلیل" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا فرمایا صادق مصدوق ﷺ "خیر الناس من ینفع الناس" یقیناً آپ اس کے واقعی مصداق تھے۔

اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین) □

عقل و نقل میں رابطہ اور تعامل

کلاسیکی مفکرین اسلام کے افکار کا مطالعہ

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی
ریڈر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

قرآن کریم اللہ کی عطا کردہ آخری الہامی کتاب ہے جس نے عقلی نظر و تدبر کی دعوت دی، شگفتہ انداز میں اور اتنی صراحت و وضاحت کے ساتھ دی ہے کہ اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں نکالی جا سکتی۔ یہ امتیاز کسی دوسری الہامی کتاب کو کبھی حاصل نہیں ہوا۔ قرآن نے عقل کی تمام صلاحیتوں کو جلا بخشی اور اس کے وظائف اور ذمہ داریاں متعین کیں۔ قرآن کی بیان کردہ یہ عقل محض یونانی فلسفہ سے ماوراء اور حقائق و واقعات عالم سے مربوط اور ہم آہنگ ہے۔ یہ قرآنی عقلیت زندگی اور اس کی رفتار کو متاثر کرتی اور حرکت انسانی کو ایک مخصوص رخ اور جہت عطا کرتی ہے۔ قرآن کے اسلوب بیان کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس نے "عقل" کا لفظ جملہ اسمیہ کے صیغہ کے طور پر کہیں استعمال نہیں کیا بلکہ جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے صیغہ فعل کے طور پر آیا ہے اس سے قرآن کی یہ عظیم الشان حکمت ہویدا ہوتی ہے کہ عقل محض تعقل کا نام نہیں نہ یہ قائم بالذات جوہر ہے بلکہ یہ عبارت ہے اعمال و وظائف کی انجام دہی سے اور انسانی سرگرمیوں کو حسن و نظم کا زیور یہی عطا کرتی ہے۔

قرآن پاک نے عقلی بحث و نظر کے ثمرہ یعنی علم و معرفت کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے۔ علم کا مادہ اور اس کے مشتقات قرآن میں ۹۰۰ (نو سو) سے زائد

مرتبہ و درجہ ہوتے ہیں۔ علماء کو دوسروں پر فضیلت دی ہے اور انہیں خشیت الٰہی اور خلق خدا کے سامنے انکسار و تواضع کے مظاہرہ جیسی صفات سے مزین بتایا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ قرآن نے علم اور علماء کو مذہبی اور دینی حوالے سے ہی متعارف نہیں کرایا ہے بلکہ کائنات اور ملکوت السماوات والارض کے تمام علوم و معارف کی تحصیل اس کی دعوت کا مطمح نظر ہے۔ اس سلسلہ میں سورۂ فاطر کی مندرجہ ذیل آیات بڑی اہم ہیں:

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانہا وغرابیب سود ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ کذالک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور (۲۷۔۲۸)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس آیت میں علم سے مراد فلسفہ و سائنس اور ریاضی و تاریخ وغیرہ دوسرے علوم نہیں بلکہ صفات الٰہی کا علم ہے اور جو شخص اللہ کی صفات سے جتنا زیادہ ناواقف ہوگا وہ اس سے اتنا ہی بے خوف ہوگا اور اس کے برعکس جس شخص کو اللہ کی قدرت، اس کے علم، اس کی حکمت، اس کی قہاری و جباری اور اس کی دوسری صفات کی جتنی معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی وہ اس کی نافرمانی سے خوف کھائے گا جیسا کہ بیشتر مفسرین نے لکھا ہے مگر یہاں مندرجہ بالا آیت میں غور و تدبر کا ایک

پہلو اور ہے اور وہ ہے آسمان سے بارش کے نزول، مختلف رنگوں اور ذائقوں کے پھلوں کی افزائش، مختلف رنگوں کے پہاڑوں اور انسانوں اور جانوروں کے وجود کے بعد علماء اور خشیت الٰہی کا تذکرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی ان نشانیوں کو ایک عالم دین کے مقابلہ میں ایک مسلمان سائنس داں زیادہ بہتر طور سے سمجھ سکتا ہے اور اس رنگارنگی اور تنوع میں خلقت و قدرت الٰہی کی کھوج اور دریافت میں زیادہ کامیابی مل سکتی ہے اس لئے علماء کے لفظ کو روایتی مفہوم میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کریم اور عقل انسانی کے درمیان اسی تعامل اور باہمی رابطہ کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں کبھی کوئی ایسی آویزش دیکھنے میں نہیں آئی جس کے خوں چکاں واقعات سے عیسائیت اور مغرب کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ کلاسیکی دور سے جدید زمانہ تک اسلامی ادبیات میں عقل اور نقل کے درمیان رابطہ اور ہم آہنگی کے مختلف و متنوع پہلوؤں پر بڑے تحقیقی مباحث اٹھائے گئے ہیں اس سلسلہ میں بطور خاص شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تصنیف "درء تعارض العقل والنقل" علامہ ابن رشد (م ۵۹۵ھ) کی کتاب "فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال" امام غزالی کی "القسطاس المستقیم" وغیرہ کو موضوع بحث بنایا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ عقل اور نقل کے درمیان متوازن رابطہ اور ہم آہنگی کی تاریخ ہے۔ اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو ہر دور کی عقلیات کو قرآن نے مخاطب کر کے اس کی تصحیح نہ کی ہوتی اور مجددین و مصلحین نے ہر دور اور ہر علاقہ میں معاصر عقلیت سے تعامل کر کے اصلاح و تجدید کا وہ عظیم الشان فریضہ انجام نہ دیا ہوتا جو اسلامی تاریخ کا طرۂ امتیاز ہے اور جس سے اسلامی شریعت کی ابدیت کی ضمانت فراہم ہوتی رہی ہے۔ عقل و نقل کے درمیان رابطہ کا مسئلہ فکر اسلامی کی تاریخ کے اہم مسائل میں شمار ہوتا رہا ہے اس موضوع سے دلچسپی متکلمین اور فلاسفہ دونوں نے اپنے مختلف نقطۂ نظر کے ساتھ لی ہے۔

عقل و نقل کے درمیان ہم آہنگی کے مسئلہ پر متکلمین کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لئے اس حقیقت کا ادراک ضروری ہے کہ متکلم بنیادی طور سے وہ مفکر ہے جو سب سے پہلے دینی نص پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ عقل کے ذریعہ اس ایمان پر دلیل قائم کرتا ہے تاکہ اس دین کے متعلق شبہات کو دفع کر سکے۔

اسی لئے عضد الدین الایجی (م ۷۵۶ھ) علم کلام کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں "علم کلام ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ آدمی دلائل کو استعمال کر کے دینی عقائد کے اثبات پر اور شبہات کے ازالے پر قادر ہوتا ہے" (۱)

علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) علم کلام کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ "وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ آدمی عقلی دلائل سے کام لے کر ایمانی عقائد کے دفاع میں استدلال کرتا ہے اور منحرف عقائد کے حامل بدعتیوں کی تردید کرتا ہے۔" (۲)

علم کلام کے آداب و شرائط میں یہ بات داخل ہے کہ عقل کے ذریعہ شریعت کی تائید کی جائے نہ کہ شریعت کو عقل سے دور کر دیا جائے جیسا کہ طاش کبری زادہ کہتے ہیں "علم کلام کی شرط ہے کہ اس کا مقصد عقل کے ذریعہ شریعت کی تائید اور عقیدہ کتاب و سنت کی تعلیمات پر چھوڑ دے اگر ان دونوں میں سے کوئی شرط فوت ہو جائے تو اسے علم کلام نہیں کہا جا سکتا۔ (۳)

متکلمین اسلام کے یہاں عقل و نقل کا مسئلہ تین جہتوں میں زیر بحث رہا ہے۔

پہلی جہت یہ ہے کہ عقل شریعت پر مقدم ہے یہ معتزلہ کا رجحان ہے۔

دوسرا رجحان یہ ہے کہ تنہا شریعت ہی قانونی اہمیت ہے اور شرعی معاملات میں عقل کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے۔ اس رجحان کی نمائندگی بعض حشویہ اور ظاہریہ اور ان کے ہم خیال لوگ کرتے ہیں۔

تیسرا رجحان ان دونوں انتہاؤں کے درمیان واقع ہے۔ یہ لوگ شریعت

کو عقل پر مقدم رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود شریعت کی تفہیم میں عقل کو دخیل گردانتے ہیں۔ یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا رجحان ہے جن میں اشاعرہ شامل ہیں (۴)

ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ معتزلہ نے عقل کو مقدم رکھنے میں سماع کو باطل نہیں قرار دیا ہے بلکہ وہ ایک طرح سے اس کا دفاع کرتے ہیں اسی طرح دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ظاہریہ عقل کو مطلقاً باطل نہیں کہتے بلکہ ظاہریہ کے ہراول مفکر وفقیہ علامہ ابن حزم اندلسی ہیں اور عقل و نقل کے تعلق سے ان کا موقف بالکل واضح ہے۔

معتزلہ و اشاعرہ کا موقف

معتزلہ کا خیال ہے کہ شریعت سے پہلے عقل حسن و قبح کا فیصلہ کرتی ہے اور عقل کے ذریعہ اللہ کی معرفت واجب ہے (۵)

تمام علوم و معارف عقل کے ذریعہ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ عقل نظر کے ذریعہ واجب ہیں اور سماع کے ورود سے پہلے منعم حقیقی کے شکر کو عقل واجب کرتی ہے۔ (۶) ليهلك من هلك عن بينة ويحيا من حي عن بينة (۷)

(تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے۔)

اشاعرہ کہتے ہیں کہ تمام واجبات کا تعلق سماعت سے ہے اور تمام علوم و معارف کا رابطہ عقل سے ہے عقل نہ تو حسن و قبیح قرار دے سکتی ہے نہ کسی چیز کا اقتضا کر سکتی ہے نہ واجب کر سکتی ہے اور سماعت علم کو وجود نہیں بخشتی بلکہ اسے واجب کرتی ہے۔ (۸) ان کا استدلال ہے کہ وجوب کی ماہیت اسی وقت متعین ہوتی ہے جب کہ ترک عمل پر سزا مرتب ہو اور شرع کی آمد سے قبل کوئی سزا نہیں ہے کیوں کہ خود قرآن کہتا ہے

وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا (۹)

(اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ پیغامبر نہ بھیج دیں)

اس سے یہ واجب قرار پایا کہ شرع سے قبل وجوب کا تعین نہ ہو۔ ان علماء نے مندرجہ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا

رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل(۱۰)

یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس خدا کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔

ولو انا اھلکناھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع آیاتک من قبل ان نذل ونخزی(۱۱)

اگر ہم اس کے آنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو پھر یہی لوگ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے ہی ہم تیری آیات کی پیروی اختیار کر لیتے؟

ان دونوں مواقف کا تجزیہ کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ہم ہر ایک کا نقطہ نظر وضاحت سے رکھیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون سا نقطہ نظر برحق ہے؟ اور کیا یہ دونوں رائیں دو متضاد انتہاؤں پر قائم ہیں جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں؟

امام غزالی کہتے ہیں

"جو شخص بحث و نظر کا منکر ہے اسے راہ راست نہیں مل سکتی اس لئے کہ برہان عقلی ہی کے ذریعہ ہم شارع کی صداقت کا پتہ لگاتے ہیں اور جو شخص تنہا عقل سے کام لیتا ہے اور شریعت کی روشنی سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا وہ بھی راہ حق سے محروم رہے گا(۱۲)"

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا معتزلہ نے تنہا عقل کا سہارا لیا اور نور شریعت

سے انہوں نے اکتساب نہیں کیا؟

اس سوال کا جواب قاضی عبدالجبار معتزلی (م ۴۱۵ھ) کے موقف میں پنہاں ہے جن کا خیال ہے کہ دلائل چار قسم کے ہوتے ہیں عقل، کتاب، سنت اور اجماع(۱۳)

سب سے پہلے عقل کی دلالت ہے کیونکہ اس سے حسن و قبح کے درمیان تمیز ہوتی ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الٰہی، سنت رسول اور اجماع حجت ہیں(۱۴)

پھر قاضی عبدالجبار ان لوگوں سے بحث کرتے ہیں جو دلائل کی اس ترتیب پر حیرت ظاہر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی پر عقل کو مقدم رکھنے کی یہ کوشش تشریفی و تکریمی نہیں بلکہ ترتیبی ہے۔ جیسے عقل کو مسجد جانے والا اور مسجد تک کے راستے کو طے کرنے کا تعین مسجد سے پہلے راستہ کو طے کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ راستہ کو مسجد پر افضلیت دی جا رہی ہے اور مسجد کے مقابلہ میں راستہ کو مشرف و معزز سمجھا جا رہا ہے بلکہ یہ تو معاملات کی منطقی ترتیب ہے۔

قاضی عبدالجبار اس مسئلہ کا تجزیہ کرتے ہیں اور تفصیل سے بحث کرتے ہیں(۱۵)

"بعض لوگ اس ترتیب پر تعجب کا اظہار کرتے اور کہتے ہیں کہ دلائل ان کتاب، سنت اور اجماع ہی سے حاصل ہوتے ہیں یا یہ کہ عقل اگر کچھ رہنمائی کرتی ہے تو بعد میں اس کا تعبیر آتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے اس لئے کہ اللہ نے صرف اہل عقل کو خطاب کیا ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الٰہی، سنت رسول اور اجماع حجت ہیں۔ اس باب میں اصل عقل ہی ہے گرچہ ہم کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی ہی اصل ہے کیونکہ اس میں وہ تمام تنبیہات موجود ہیں جو عقل میں آتی ہیں اسی طرح اس میں احکام پر دلائل بھی ہیں عقل ہی سے افعال کے احکام اور فعل کے احکام کے درمیان تمیز ہوتی ہے اگر عقل نہ ہوتی تو ہمیں معلوم نہ ہوتا کہ کس چیز کو کرنے یا نہ کرنے سے مواخذہ ہوتا ہے اور تعریف و مذمت کن افعال پر ہوتی ہے اس لئے اس شخص سے مواخذہ نہیں

ہوتا جو عقل کی دولت سے محروم ہوتا ہے جب ہم نے عقل سے پہچان لیا کہ ایک اللہ ہے جو الوہیت میں یکتا ہے اور اسے حکیم جان لیا جب اس کی کتاب سے معلوم ہوا کہ اس میں رہنمائی اور دلالت ہے۔ اور جب ہم نے یہ جان لیا کہ وہ رسول بھیجتا ہے اور یہ معجزات کی نشانیاں امتیازی طور پر دیتا ہے تب ہمیں پتہ چلا کہ رسول کا قول حجت ہے اور جب اللہ کے رسول نے فرمایا کہ میری امت کسی خطا پر مجتمع نہیں ہو سکتی اور یہ کہ تم جماعت سے وابستہ رہو تب ہمیں معلوم ہوا کہ اجماع حجت ہے۔ (۱۶)

معتزلہ کے نزدیک عقل جیسا کہ قاضی عبدالجبار کہتے ہیں، تنہا نہیں ہے جیسا کہ مغربی ذہنی عقلیت میں ہے بلکہ اس کے ساتھ کتاب، سنت اور اجماع بھی حجت ہیں اس لئے یہاں عقل و نقل کے درمیان مواخات، ہم رشتگی اور رابطہ قائم ہے اور دونوں برہان و استدلال کے دو طرز بنتے ہیں۔

قاضی عبدالجبار اپنے اس موقف کی ترجمانی ان براہمہ کی تردید کرتے ہوئے بھی کرتے ہیں جو اس دلیل کی وجہ سے نبوتوں کا انکار کرتے ہیں کہ انبیاء جو تعلیمات لے کر آتے ہیں وہ ان کی نگاہ میں دو صورتوں سے خالی نہ ہوں گی یا تو وہ عقل کے مطابق ہوں گی اور اس صورت میں عقل ہی کافی و شافی ہے یا وہ تعلیمات عقل کی مخالف ہوں گی اور اس وجہ سے قابل رد اور ناقابل قبول ہوں گی۔ (۱۷)

قاضی اس موقف کا انکار کرتے ہیں اور براہمہ کو باور کراتے ہیں کہ عقل کافی نہیں ہے اور رسولوں سے بے نیازی ممکن نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ نے عقل کی تخلیق ایسی فطرت پر کی ہے جو انبیائی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے یہ ناممکن ہے کہ رسولوں کی کوئی تعلیم خلاف عقل ہو (۱۸)

اسی لئے امام فخر الدین الرازی جو اشعری ہیں اور معتزلہ کی آراء کو رد و قدح میں معروف ہیں کہتے ہیں کہ وجوب عقلی کا دعویٰ ممکن نہیں ہے کیوں کہ اگر وجوب عقلی ثابت نہ ہوتا تو وجوب شرعی قطعی طور پر ثابت نہ ہوتا (۱۹)

بلکہ جس آیت سے لوگ وجوب شرعی ثابت کرتے ہیں وہ یہ ہے:

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (۲۰)

اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ایک پیغامبر نہ بھیج دیں۔

امام رازی اس آیت کے تحت دو اقوال نقل کرتے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور ہم یہ مراد لیں کہ عقل ہی خلق خدا کی طرف اللہ کا رسول ہے بلکہ یہ رسول ہی تھا جس کا وجود نہ ہوتا تو کسی نبی کی رسالت متعین نہ ہوتی اس لئے عقل ہی اصلی رسول ہے اس لئے آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ہم اس وقت تک عذاب نہیں دے سکتے تھے جب تک کہ عقل کے رسول کو مبعوث نہ کرتے۔

دوسرا قول ہے کہ ہم آیت کے عموم کو مخصوص کریں اور یہ مراد لیں کہ ان اعمال پر ہم عذاب کا فیصلہ نہیں کر سکتے جن کے وجوب کی معرفت کا کوئی راستہ شریعت کے سوا نہیں ہے عموم کی یہ تخصیص گرچہ ظاہر آیت سے ہٹ کر ہے لیکن دلائل کی موجودگی میں اس مفہوم کو اختیار کرنا واجب ہے اور ہم اس بات پر تینوں دلائل کے قیام کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اگر ہم وجوب عقلی کی نفی کر دیں تو وجوب شرعی ہم پر لازم آتا ہے واللہ اعلم (۲۱)

اس طرح عقل و نقل کے درمیان رابطے کے موضوع پر معتزلہ و اشاعرہ کے درمیان کوئی حقیقی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ "معتزلہ" ایک ایسا فرقہ ہے جس نے معقول کا مطالعہ کیا اور معقول کا فہم حاصل کیا اور دین کے دفاع کے لئے یکسو ہو گیا جن اصولوں کی انہوں نے تائید و حمایت کی اور جن کی اشاعت کے لئے کمربستہ ہوئے وہ محض ان تند و تیز مباحثوں کی پیداوار تھے جو ان کے اور مخالفوں کے درمیان واقع ہوئے۔ جو عقیدہ توحید انہوں نے بنایا وہ ثنویہ کی تردید میں تھا اور وعد و وعید والا ان کا اصول مرجئہ کی تردید میں تھا اور المنزلة بین المنزلتین کے اصول کے ذریعہ انہوں نے مرجیہ اور خوارج کا مقابلہ کیا (۲۲)

اس لئے معتزلہ کا موقف ان حالات و ظروف کے پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے جن میں وہ زندگی گزار رہے تھے اگر ان کا طریقہ وضع عقلی تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ فریق مخالف عقل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا اس لئے اس سے مناقشہ کی بنیاد لازما عقلی ہی ہوتی جس معرکہ میں انہوں نے قدم رکھا تھا اس کا یہ کردہ یہ مطلب تھا کیوں کہ "دشمن فریق مخالف کے طریقہ پر جنگ کو اختیار کرنے کا پابند ہے اسی کے ہتھیاروں سے مسلح اور اس کی پالیسیوں اور منصوبوں سے واقف اور اس کے عزائم سے آشنا ہوتا ہے ان تمام چیزوں کا تقاضا ہوتا ہے کہ فریق جنگ اپنے مخالف سے متاثر ہو اور اس کے بعض مناہج کو اختیار کرے" معتزلہ کے اندر ان کے مخالفین کی بعض سوچ در آئی تھی گرچہ وہ جوہری نہ تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا عقیدہ تبدیل ہو گیا تھا یا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے یا مخالفین سے مباحثہ و استدلال کے ان کے جہاد کی اہمیت کم ہو گئی تھی کتاب الانتصار کے مقدمہ میں ڈاکٹر نیبرج نے کیا عمدہ بات کہی ہے "جو شخص کسی معرکہ کارزار میں بڑے دشمن سے مقابلہ کرے گا وہ جنگ کے آداب و شرائط کا پابند ہوگا اور احوال و معاملات کی گردش سے پوری طرح واقف ہوگا اور اس پر لازم ہوگا کہ دشمن کی حرکات و سکنات اس کی نشست و برخاست کا تعاقب کرے ہو سکتا ہے کہ اس تعاقب میں دشمن اور اس کی چالوں کی روح اس کے اندر بھی سرایت کر جائے۔ یہی معاملہ فکری معرکوں کا بھی ہوتا ہے" (۲۳)

ظاہریہ کا موقف

اب ظاہریہ کے مسلک پر بھی توقف کریں تاکہ عقل و نقل کے تعلق سے ان کے حقیقی موقف کی وضاحت کر دیں۔ (۲۴) ابو داؤد الظاہری (۲۵) (۲۰۱-۲۷۰ھ) نے اصحاب ظاہری فرقہ کی بنیاد رکھی لیکن امام علی بن احمد بن سعید المعروف بہ ابن حزم الظاہری (۳۸۴-۴۵۶ھ) کے مقابلہ میں مغرب میں انہیں مقبولیت و

شہرت نصیب نہ ہو سکی فاطمی تحریک جو بسا اوقات باطنی یا اسماعیلی تحریک کے نام سے پکاری جاتی ہے بلاد مغرب میں شمالی افریقہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ طاقتور اور مستحکم تھی اور ابن حزم اموی تھے اور اموی سلطنت کے لئے شدید تعصب رکھتے تھے اور اس کے مخالفین علویوں یا فاطمیوں سے انہیں شدید نفرت تھی۔ (۲۶)

یہاں سے ہم ابن حزم کے موقف اور ان کے ظاہری منہاج کی حقیقت جس کی دعوت وہ زندگی بھر دیتے رہے کو اچھی طرح ہم سمجھ سکتے ہیں لیکن پہلے مذہب باطنیہ کی طرف مختصر اشارہ کرنا ضروری ہے۔

باطنیہ تمام اسلامی فرقوں سے خارج ایک فرقہ ہے (۲۷)

عبد القاہر بغدادی (م ۴۲۹ھ) کہتے ہیں: جن لوگوں نے مذہب باطنیہ کی بنیاد رکھی مجوس کی اولاد تھے اور اپنے اسلاف کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے۔ انہوں نے قرآنی آیات اور نبوی سنتوں کی تاویلیں اپنی اساسیات کی موافقت میں کی۔ (۲۸)

اسی لئے عبد القاہر البغدادی انہیں ان زنادقہ دہریوں میں شامل کرتے ہیں جو تمام رسولوں اور شریعتوں کی فرسودگی کے قائل ہیں تاکہ جس چیز کی طرف طبیعت مائل ہو اسے مباح کر سکیں۔ قرآن و سنت کی تاویلوں کے ذریعہ ان کا مقصد مجوسی مذہب کی دعوت دینا تھا۔ (۲۹)

ان کی دعوت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ایک "امام صادق متعین ہو جو ہر زمانہ میں موجود ہو" اس لئے کہ ان کی نظر میں عقل و نظر کے ساتھ معرفت کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ایک معلم تعلیم دیتا ہے" (۳۰)

اسی لئے ان کا مسلک ہے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ اسے اپنے زمانہ کے امام کا پتہ نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا (۳۱) کیوں کہ یہ امام ہدایت کا کام کرتا ہے اور اسرار دین کی وہ تعلیم دیتا ہے جس سے واقف خواص علماء

ہوتے ہیں نہ عام مقلدین۔ یہ تمام لوگ تو کتاب الٰہی کے نصوص کے ظاہر کا علم رکھتے ہیں اور باطنی علم سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں (۳۲)

ان کی نگاہ میں ظاہر نص کی حیثیت چھلکے کی اور باطن کی حیثیت مغز کی ہے اور مغز چھلکے سے بہتر ہوتا ہے" (۳۳)

کیوں کہ ظواہر عذاب ہیں اور باطن میں رحمت ہے ان کا استدلال قرآن کی اس آیت سے ہے:

فضرب بينهم بسور له باب باطنه فيه الرحمة وظاهره من قبله

(الحزاب ۳۴)

پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس دروازے کے اندر رحمت ہوگی اور باہر عذاب (۳۵)

حدیث نبوی کہ "قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے" کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان کے حقائق تک رسائی اسی امام کی ہو گی جسے اللہ نے انجام کی امانت سے خاص کیا ہے (۳۶) اس لئے ان کے داعی بدعت کے لئے شرط ہے کہ وہ تمہیں پر پوری طرح قادر ہو اور ظواہر کی تاویل کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو تاکہ باطنی مفہوم پر انہیں محمول کر سکے۔ (۳۷)

اسی لئے ظاہریہ کے موقف پر عام طور سے اور ابن حزم کے مسلک پر خاص طور سے ہمیں تعجب نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام کا دفاع اس منحرف رجحان کے خلاف کیا جس نے اصول دین کی تاویل کر کے شرک کو مباح کر دیا تھا اور احکام شریعت کی ایسی تاویل کی تھی جس سے شریعت کی ضرورت ہی ختم ہو گئی تھی۔ ابن حزم نے واضح کیا کہ دین بس واضح اور صریح ہے اور اس طرح کی کسی تاویل کو اس میں گنجائش نہیں ہے۔

استاذ الفق اسی لئے کہتے ہیں کہ مذہب ظاہریہ پروان چڑھا تاکہ اس

باطنیت کا مقابلہ کرے اور ایک ایسے مخفی امام کی ضرورت کا انکار کرے جو لوگوں کو ایسی تعلیم دے جس کی تعلیم حاصل کرنا آیات و احادیث کے ظاہر سے ان کے بس اور وسعت میں نہیں ہے (۳۸)

ابن حزم ان فرقوں سے ہمیں اس طرح ہوشیار کرتے ہیں۔

"اللہ کے بندو ہوشیار رہو اس فکر و لحاظ تمہیں دھوکہ نہ دے دیں اور بغیر کسی دلیل کے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اور تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کے کلام کی تعلیمات کے برخلاف اپنے دعووں سے تمہیں فریب میں مبتلا نہ کر لیں کتاب و سنت کے سوا کسی میں خیر نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا دین ظاہر اور واضح ہے اس کا کوئی باطن نہیں ہے۔ وہ اعلان و اظہار ہے اس میں کوئی چیز راز کی نہیں ہے۔ سب کھلی ہوئی دلیلیں ہیں ان میں کوئی مداہنت نہیں ہے۔ اسے مجرم سمجھو جو بغیر دلیل کے پیروی کی دعوت دے۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ کا کوئی مذہب سری اور باطنی ہے ان کے محض دعوے اور بے بنیاد الزامات ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شریعت کا ایک کلمہ بھی نہیں راز میں رکھا نہ خصوصی صورت کسی ایک، تختی یا دوست کو شریعت کا کوئی اسرار بتایا نہ آپ نے عوام سے چھپایا اور نہ آپ ﷺ کے پاس نہ کوئی خفیہ راز تھا نہ کوئی رمز و اشارہ تھا اور نہ کوئی باطن تھا مگر یہ کہ ہر چیز کی طرف اللہ کے بندو آپ نے دعوت دی۔ اگر آپ نے کوئی چیز چھپائی ہوتی تو آپ نے حکم خداوندی کے مطابق تبلیغ کا فریضہ انجام نہ دیا ہوتا۔ جو شخص اس طرح کی بات کرتا ہے وہ کافر ہے ان لوگوں سے دور رہو جو اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہیں اور نہ دلیل دیتے ہیں اور اس راہ سے منحرف نہ ہو جاؤ جس پر تمہارے نبی ﷺ اور آپ کے اصحابؓ گامزن تھے" (۳۹)

اس واضح عبارت سے ہم ابن حزم کا موقف سمجھ سکتے ہیں اور اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ظاہر نص کو اختیار کرنے میں وہ کسی قدر دلچسپی رکھتے تھے اور اس

بات پر کتنا زور دیتے تھے کہ "کلام الٰہی کے ظاہر پر عمل کرنا واجب ہے اور کسی صورت میں خدا کے کلام کو اس کے ظاہر سے نہیں ہٹایا جاسکتا سوائے اس کے کہ کوئی نص، اجماع یا حسی ضرورت اس بات کا تقاضا کرے کہ کلام کی کوئی چیز ظاہر پر محمول نہیں کی جاسکتی اور ظاہر سے منتقل کر کے کسی اور مفہوم کو دینا ضروری ہے۔" (۳۰)

ابن حزم کے موقف اور ظاہر نص کو پکڑنے کی ان کی دعوت کو باطنیہ کی آراء اور دعاوی کا محض ابطال نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ ان کے نظریات اور رجحانات ہر اس شخص کے خلاف ایک طاقتور تردید اور صریح ابطال ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی آیات باہم متضاد یا متناقض ہیں۔

اس بنا پر ابن حزم کے حقیقی موقف کو سمجھنا ضروری ہے کہ کیوں کہ ظاہر نص کی پیروی کی دعوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے عقل کو منسوخ کر دیا ہے۔ وہ ایک مسلمان مفکر کی طرح عقل کے کردار کو پوری طرح تسلیم کرتے ہیں ورنہ ان کی کتاب الفصل فی الملل اور دوسری تصنیفات میں عقلی و نقلی دلائل کا سہارا لے کر دوسرے ادیان و مذاہب کے حاملین سے ان کے مباحثوں اور ان کے سخت موقف کی تفسیر ہم کس طرح کریں گے؟ ان تمام تحریروں میں ابن حزم نے اس چیز کی پیروی کی ہے جس کی پیروی واجب ہے یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع سے استدلال۔ یہ بات معروف ہے کہ ہر موضوع کا اپنا مخصوص منہاج ہوتا ہے چنانچہ ان کا حسی و عقلی منہاج ان عقلی و حسی موضوعات کے ساتھ مخصوص ہے جو حس اور عقل کے دائرہ میں آتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ان شرعی الہامی امور کا تعلق ہے جو عقل کے اختصاص میں نہیں آتے اور اس کے دائرہ سے باہر ہیں کیوں کہ ان کی معرفت عقل کی قدرت و صلاحیت سے ماوراء ہے تو ان میں ابن حزم کا خاص مسلک ہے یعنی منہاج ظاہری کا التزام ان معاملات میں جن میں اللہ نے نص نازل کی ہے، ان کی خبر دی ہے اور ان کی وضاحت کی ہے۔" (۳۱)

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ نقل کے رجحان نے جس کی نمائندگی ظاہریہ نے کی ... عقل کو نقل سے الگ کر دیا نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عقلی رجحان نے ... جس کی نمائندگی معتزلہ نے کی ... عقل کو نقل پر مقدم کر کے نقل کا انکار کیا ہے۔ یہ دونوں رجحانات دو متصادم انتہاؤں پر نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک عقل کا کردار متعین کرتا ہے اور ہر جماعت کا اپنا نقطہ نظر ہے۔

جن لوگوں نے رسالت والوہیت کو عقل سے سمجھنے کے بعد نقل کو مقدم رکھا ہے تو اس کی وجہ ان کا یہ ایمان ہے کہ "صاحب شریعت کے مدارک وسیع تر دائرہ کی وجہ سے عقلی نظر و بحث کے مدارک سے کہیں زیادہ وسیع ہیں، وہ عقلی نظر سے ماوراء اور اس کو محیط ہیں کیوں کہ وہ انوار الٰہیہ سے اکتساب کرتے ہیں اور عقلی نظر کے ضعیف قانون اور محصور مدارک کے تحت وہ داخل نہیں ہیں۔" (۳۲)

اور جن لوگوں نے عقل کو مقدم جانا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ فریق مخالف نقل کی پابندی پر تیار نہیں ہے اس لئے عقلی اساس پر ہی مناقشہ کو استوار رکھنا ناگزیر تھا۔ "انہیں دراصل اس پر مجبور کیا ملحدین کے کلام نے جو نظری بحثوں کے ذریعہ سلفی عقائد کی مخالفت کر رہے تھے اس لئے انہوں نے بھی ان کی تردید کے لئے ان ہی کے اسلوب کو اختیار کیا اور اس کا تقاضا ہوا کہ نظری دلائل کا سہارا لیں اور ان کے ذریعہ سلفی عقائد کی برتری ثابت کریں۔" (۳۳)

امام راغب الاصفہانی (م ۵۰۲ھ) کی عبارت کتنی خوبصورت ہے! وہ کہتے ہیں:

"اللہ کے مخلوق کی طرف دو رسول ہیں: ایک باطن کا رسول اور وہ عقل ہے۔ دوسرا ظاہر کا رسول اور وہ پیغمبر ہے۔ کوئی شخص رسول ظاہر سے اس وقت تک استفادہ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ رسول باطن سے استفادہ نہ کرے۔"

رسول باطن ہی رسول ظاہر کے دعویٰ کی صحت و صداقت کو پرکھتا ہے اگر وہ نہ ہو تو ظاہر کے قول سے استدلال لازم نہ ٹھہرے اسی لئے جو لوگ اللہ کی وحدانیت اور نبوت کی صداقت میں شک کرتے ہیں اللہ نے ان کی مت مار دی ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ ان امور کی صحت کے لئے عقل استعمال کریں۔

عقل قائد ہے اور دین مددگار و معاون ہے اگر عقل نہ ہو تو دین باقی نہ رہے گا اور اگر دین نہ ہو تو عقل حیران و ششدر رہے گی اور ان دونوں کا اجتماع نور علی نور (۴۴)

روشنی پر روشنی ہو گا (۴۵)

امام غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے اپنی کتاب معارج القدس میں یہی خیال ظاہر کیا ہے انہوں نے عقل اور شرع دونوں کی ہم آہنگی اور دونوں کی باہمی ضرورت پر زور دیا ہے وہ کہتے ہیں:

"جان لو عقل شریعت کے بغیر ہدایت نہیں پا سکتی۔ اور شرع عقل کے بغیر واضح نہیں ہو گی عقل کی حیثیت بنیاد کی اور شرع کی حیثیت عمارت کی ہے۔ عمارت نہ ہو تو بنیاد کیا فائدہ دے سکتی ہے اور عمارت مستحکم نہیں ہو گی اگر بنیاد نہ ہو۔

یہ بات بھی ہے کہ عقل کی حیثیت نگاہ کی اور شرع کی حیثیت کرن کی ہے۔ نگاہ بے سود ہو گی اگر خارج سے کرن نہ ہو اور شعاع بے فائدہ ہے اگر نگاہ نہ ہو۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے۔

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین یہدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجہم من الظلمات الی النور باذنہ (۴۶)

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے

کی طرف لاتا ہے۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ عقل کی حیثیت چراغ کی اور شریعت کی حیثیت اس کو طاقت دینے والے تیل کی ہے۔ تیل نہ ہو تو چراغ روشنی نہیں دے سکتا اور اگر چراغ نہ ہو تو تنہا تیل اس سلسلہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اسی حقیقت کی طرف اللہ نے متنبہ کیا ہے۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیء ولو لم تمسسہ نار نور علی نور (۴۷)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ کائنات میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارہ اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑک پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے روشنی پر روشنی۔

شریعت خارج سے عقل ہے اور عقل داخل سے شریعت ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے معاون بلکہ باہم متحد ہیں۔

شریعت چونکہ خارج سے عقل کا نام ہے اسی لئے اللہ نے قرآن کی متعدد آیات میں عقل سے کافروں کی محرومی کا تذکرہ کیا ہے:

صم بکم عمی فہم لا یعقلون (۴۸)

یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں اس لئے کوئی بات ان کی عقل میں نہیں آتی۔

اور چونکہ عقل داخل سے شرع ہے اس لئے اللہ نے عقل کی صفت یہ

بیان کی ہے:

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم (۳۹)

قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی بالکل یہی راست اور درست دین ہے۔

اس آیت میں عقل اور فطرت کو قرآن نے دین سے تعبیر کیا ہے اور دونوں میں ہم آہنگی اور اتحاد کی وجہ سے نور علی نور قرار دیا ہے یعنی عقل و شریعت دونوں کی روشنی جمع ہو گئی۔ پھر اسی آیت میں آگے فرمایا کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے۔ یہاں اللہ نے دونوں انوار کے لئے واحد ہی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ کیوں کہ عقل غائب ہو جائے تو شریعت بے سود ہو جاتی ہے اور اسی طرح کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی جیسے نور بصارت سے محرومی کے بعد شعاع بے سود ہو جاتی ہے اور شریعت سے بے نیازی کے بعد عقل اکثر چیزوں تک رسائی میں اسی طرح ناکام رہتی ہے جیسے نور کے فقدان سے آنکھ بے بس ہو جاتی ہے۔ (۵۱)

امام غزالی کہتے ہیں کہ عقل کی مذمت کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ وہ اس بصیرت کا نور ہے جس سے عرفان الٰہی حاصل ہوتا ہے اور صدق رسالت کا پتہ چلتا ہے امام غزالی فرماتے ہیں:

''عقل کی مذمت کیسے کی جا سکتی ہے جب کہ اللہ نے اس کی تعریف کی ہے؟ اگر قابل مذمت عقل ہو سکتی ہے تو قابل تعریف کون سی چیز ہو گی؟ اگر قابل تعریف اور محمود شریعت ہے تو کس طرح شریعت کی صحت معلوم ہو گی؟ اگر اس کا علم عقل مذموم کے ذریعہ ہو گا جو ناقابل اعتماد ہے تو شریعت بھی قابل مذمت ٹھہرے گی۔ (۵۲)

سلفی مکتب فکر کے نمائندہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (۶۶۱-۷۲۸ھ) بھی عقل

...عقل پر کوئی گفتگو آپ کے حوالے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ آپ کے نزدیک عقل کی اہمیت مسلم ہے مگر اس پر شریعت کا اثبات موقوف نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ شرع ثابت ہے خواہ اس کا ثبوت عقل سے معلوم نہ ہو۔ علم کا معدوم ہونا یہ مطلب نہیں رکھتا کہ وہ موجود بھی نہیں ہے۔ حق کا علم نہ ہو تو اس سے ان کے وجود پر کوئی حرف نہیں آتا۔ (۵۳)

ابن تیمیہ یہاں ایک بہت اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ یہ کہ جو چیز معلوم و معروف ہے وہ اپنے وجود کے لئے علم کی محتاج نہیں ہے۔ جیسے اللہ کی وحدانیت، اسماء، صفات باری، رسالت، فرشتوں اور آسمانی کتابوں کی صداقت کے بارے میں ہمارا علم ہے۔ یہ تمام معلومات ثابت اور قطعی ہیں خواہ ہم ان کا علم رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں یہ معلومات ہمارے علم سے بے نیاز نہیں ہیں۔ عقل کے ساتھ شرع کا معاملہ اسی باب سے ہے۔ اللہ کی جانب سے نازل شدہ شریعت فی نفسہ ثابت ہے خواہ ہم اپنی عقلوں سے اس کا علم رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ وہ فی نفسہ ہماری عقل و علم سے بے نیاز ہے۔ البتہ ہم اس کے محتاج ہیں اور اپنی عقلوں کے ذریعہ اس کا علم حاصل کرنے کے ضرورت مند ہیں۔ عقل جب شرع کی تعلیمات کا علم حاصل کرتی ہے تو اس کی عالم بن جاتی ہے اور دنیا و آخرت کے ان تمام امور کی واقف کار ہو جاتی ہے جن پر شریعت مشتمل ہوتی ہے، وہ اپنے اس علم سے فائدہ اٹھاتی ہے اور یہ علم اسے وہ صفت عطا کرتی ہے جو اس سے پہلے اس کے پاس نہ تھی اگر عقل کو یہ علم حاصل نہ ہوتا تو وہ ناقص اور جاہل رہتی۔ (۵۴)

سابق رائے پر ابن تیمیہ کو جو اعتراض بھی ہو، طرفین کا نقطہ نظر مختلف ہے۔ اگر ابن تیمیہ عقل و نقل کے درمیان اس رابطہ کو اس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ شئی فی نفسہ ثابت ہے خواہ ہم اس کا علم رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں تو دوسرا گروہ ایک دوسری جہت سے اس پر نظر ڈالتا ہے اور وہ ہے نفع رسانی وہ جہت

اور استعمال شدہ وسیلہ تا کہ شریعت سے ہدایت کا حصول مکمل ہو۔

چونکہ جہت مختلف ہے اس لئے طرفین کے درمیان ساخت کے اعتبار سے اختلاف ناگزیر ہے اگر ابن تیمیہ شی کے فی نفسہ ثابت ہونے پر نگاہ رکھتے ہیں تو اس کا علم رکھنے کے لئے بھی ہمارے لئے عقل ناگزیر ہے۔ عقل اشیاء کے متعلق ہماری جانکاری کا وسیلہ ہے اس صورت میں اختلاف نتیجے کے اعتبار سے باقی نہیں رہتا کیوں کہ ابن تیمیہ ظاہری اختلاف کے باوجود جس نتیجہ تک پہونچتے ہیں وہی منزل اور نتیجہ دوسرے گروپ کا بھی ہے اور وہ ہے عقل اور نقل کے درمیان تعارض کا دفعیہ اور ابن تیمیہ کی تعبیر کے مطابق صحیح منقول اور صریح معقول کے درمیان ہم آہنگی اور موافقت۔

اسی لئے ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"جو بات صریح عقل سے معلوم ہے اس کا شریعت کے مخالف ہونا ناقابل تصور ہے بلکہ صحیح منقول کی مخالفت صریح معقول کبھی نہیں کر سکتی۔ میں نے لوگوں کے مختلف فیہ مسائل پر بہت غور کیا تو میں نے محسوس کیا کہ جو چیزیں صریح و صحیح نصوص کے خلاف تھیں وہ فاسد شبہات تھے اور عقل کے ذریعہ ان کا بطلان معلوم و متعین تھا بلکہ عقل کے ذریعہ ان کا نقیض جو شرع کے مطابق تھا متعین ہوا میں نے بڑے بڑے مسائل جیسے توحید وصفات خداوندی تقدیر نبوت اور معاد وغیرہ کے مسائل پر تدبر کیا اور میں نے دیکھا کہ عقل صریح سے جو باتیں معلوم ہوئیں ان کی مخالفت سمع نے کبھی نہیں کی بلکہ جس سماعی چیز کو اس کی مخالفت میں پیش کیا گیا وہ یا تو ضعیف حدیث تھی یا کمزور دلالت تھی اس لئے وہ چیز دلیل نہیں بنائی جا سکتی اگرچہ عقل صریح کی مخالفت سے الگ تھلگ ہو اور اگر وہ عقل صریح کی مخالفت کی زد میں بھی ہو تو اسے دلیل بنانا مزید غلط ہوگا(۵۵)

اسی بنیاد پر جب ہم عقل ونقل کے باہمی رابطہ کے تعلق سے اجمالی

موقف پر بحث کر رہے ہوں تو ہم عقل ونقل کے درمیان تین حالتیں رکھ سکتے ہیں جیسا کہ بعض محققین نے کیا ہے(۵۶)

انہوں نے اس موضوع کے تحت موقف کو تین بنیادی رجحانات میں تقسیم کر دیا ہے

نقلی رجحان: ان کی نگاہ میں عقل کو شرع کے دائرے سے خارج کر دیا گیا ہے۔

عقلی رجحان: یعنی عقلی دلائل پر قدح مناسب نہیں ہے خواہ وہ دلائل نقلیہ سے متصادم ہوں۔ یہ رجحان اس حقیقت نقلیہ کا انکار کرتا ہے جس کی معترف عقل نہ ہو۔

توفیقی رجحان: یعنی عقل ونقل میں موافقت اور سازگاری پیدا کی جائے۔(۵۷)

یہ مسئلہ دراصل انتخاب کا نہیں ہے(۵۸) کہ اگر ہم نقل کے رجحان کو اختیار کریں تو عقل کی کوئی گنجائش نہ ہو اور اگر عقل کو تسلیم کر لیں تو نقل سے دامن چھڑانا ناگزیر ہو جائے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ رجحان نقلی کی یہ تشریح کہ عقل کو شرع کے دائرے سے خارج کر دیا جائے تضاد بیانی کا شکار ہے اس لئے کہ وہ چیز نقلی کیسے ہوگی اب کہ عقل کو شرع کے دائرے سے خارج کر دیا جائے گا؟ شریعت اسلامی نے تو خود عقل کو اپنے دائرے سے خارج نہیں قرار دیا ہے بلکہ عقل کے تئیں شریعت کے موقف ہی کا تقاضا تھا کہ علماء اسلام نے صرف کتاب وسنت اور اجماع ہی کو ماخذ استدلال نہیں قرار دیا بلکہ عقل کو بھی ایک ماخذ کی حیثیت سے تسلیم کیا کیوں کہ عقل ہی سے بقیہ مصادر تعرض کرتے ہیں تا کہ وہ ان نصوص پر غور وتدبر کرے اور مراد و مقصود کی تعیین کرے۔(۵۹)

یہ بھی عقل کے تئیں شریعت کا موقف ہی تھا جس نے علماء اسلام کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ دین وعقل کے درمیان ہم آہنگی اور موافقت کے لئے بھرپور جدوجہد کریں جب کہ بعض ان حضرات نے جنہیں بصارت کے نئے مغربی عینک

ہی میسر آئی ہے اس اسلامی عربی خدمت کو محض بے ثمر کاوش قرار دیا ہے اور عقلی تحریک سے اسے مجھ مردود سمجھا ہے(۱۰)

جب کہ ان کوششوں کو ہمارے اسلاف نے ایک فکری و دینی ضرورت قرار دیا جو اس فطرت سلیم کے تقاضوں کے مطابق تھیں جو نصوص یا اسلام کے حقائق کو مجھتی ہے(۱۱)

دلچسپ بات یہ ہے کہ بیشتر مصنفین نے تاریخ اسلام میں عقلی تحریک کا سراغ معتزلہ کے وجود میں لگایا ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی دعوت تدبر اس کی تاکید حصول علم و معرفت اور اہتمام عقل انسانی و وظائف عقلیہ سے صرف نظر کر لیا ہے گیا نعوذ باللہ سیاسی و حربی مسائل میں الجھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قرآن کی اس اہم دعوت پر کما حقہ توجہ صرف نہیں کی۔ واقعہ یہ ہے قرآن جس حیات آفریں اور نمو بخش عقلیت کو رواج دینا چاہتا تھا اس کا مثالی نمونہ نبوی معاشرہ تھا اور صحابہ کرام اس مطلوب عقلیت سے پوری طرح مسلح اور مزین تھے۔ آج کے دور میں مغرب کے الحادی افکار سے نمٹنے کے لئے اور سائنس و ٹکنالوجی کی ترقیات کے سبب بے حد پیچیدہ اور نو پیدا مسائل کو بالطریق احسن حل کرنے کے لئے اسی تعمیری قرآنی عقلیت کی ضرورت ہے۔

حواشی و تعلیقات

(۱) الایجی، المواقف فی علم الکلام، عالم الکتب، بیروت ص ۷
(۲) مقدمہ ابن خلدون، دار الفکر، بیروت ص ۴۵۸
(۳) طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ، تحقیق کامل بکری، عبد الوہاب ابو النور، قاہرہ، ۱۹۶۸ء ج ۲ ص ۱۵۰
(۴) ڈاکٹر ابو الوفا الغنیمی التفتازانی، علم الکلام و بعض مشکلاتہ، دار الرائد العربی (تاریخ مذکور نہیں) ص ۱۵۴
(۵) الشہرستانی، الملل والنحل ج ۱ ص ۱۳ (تحقیق محمد سید کیلانی) دار المعرفۃ بیروت،

([illegible])
([illegible]) [illegible] مصدر ج ۱ ص ۳۲، ۳۵، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، نیز تفسیر الرازی ج ۴ ص ۱۷۳
(۶) ابو الوفا الغنیمی التفتازانی علم الکلام و بعض مشکلاتہ ص ۱۵۹
(۷) قرآن کریم الانفال ۲۲
(۸) الشہرستانی، الملل والنحل ج ۱ ص ۳۲، ۱۰۱، ۱۰۲
(۹) قرآن کریم بنی اسرائیل ۱۵ (۱۰) قرآن کریم النساء ۱۶۵
(۱۱) قرآن کریم طٰہٰ ۱۱۴
(۱۲) الغزالی، الاقتصاد فی الاعتقاد، ص ۳،۲ مطبعہ [illegible] الاسلام مصر ۱۳۲۰ھ (تعریب کے ساتھ)
(۱۳) القاضی عبد الجبار شرح الاصول الخمسۃ مکتبہ وہبہ قاہرہ ۱۹۶۵ء ص ۸۸، دیکھئے الامام القاسم الرسی، کتاب اصول العدل والتوحید ضمن مجموعہ رسائل العدل والتوحید، تحقیق ڈاکٹر محمد عمارہ ج ۱ ص ۹۹
(۱۴) القاضی عبد الجبار فضل الاعتزال و طبقات المعتزلہ، تحقیق فؤاد سید، الدار التونسیہ للنشر، تونس ۱۹۷۴ء ص ۱۴۷
(۱۵) ڈاکٹر محمد عمارہ، الفرق والغزی و عم [illegible] الامامۃ العدۃ [illegible] الاسلامیہ بالازہر الشریف ص ۵۰، ۵۱
(۱۶) القاضی عبد الجبار، فضل الاعتزال و طبقات المعتزلہ، تحقیق فؤاد سید الدار التونسیہ للنشر تونس ۱۹۷۴ء ص ۱۴۷
(۱۷) القاضی عبد الجبار شرح الاصول الخمسۃ ص ۵۹۳
(۱۸) دیکھئے القاضی عبد الجبار کی عبارت نفس مصدر ص ۵۶۳، ۵۶۶
(۱۹) دیکھئے تفسیر الرازی ج ۲ ص ۱۷۳، ۱۷۴
(۲۰) قرآن کریم بنی اسرائیل ۱۵
(۲۱) تفسیر الرازی ج ۲، ص ۱۷۴، ۱۷۵
(۲۲) امام محمد ابو زہرہ، تاریخ المذاہب الاسلامیہ دار الفکر العربی قاہرہ ص ۱۳۱
(۲۳) محمد بن عثمان الخیاط کتاب الانتصار والرد علی ابن الراوندی الملحد، تحقیق و تعلیق

ڈاکٹر مصر ج ص ۳۸ مجد الجیر وت ۱۹۸۷ء

(۴۴) امام ابو زہرہ، تاریخ المذاہب الاسلامیہ ص ۱۳۸

(۴۵) امام ابو داؤد ظاہری وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت کے ظاہر پر عمل کرنے اور بغیر کسی تعلیل کے ظواہر نصوص سے احکام مستنبط کرنے پر زور دیا۔ اس لئے ان کی سوانح میں الخطیب البغدادی کہتے ہیں کہ وہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے ظاہر کو اختیار کرنے کا اعلان کیا۔ احکام میں قیاس کی نظری مخالفت کی مگر عملی طور پر اسے اپنانے پر مجبور ہوئے اور اسے انہوں نے دلیل کا نام دیا۔ امام محمد ابو زہرہ، تاریخ المذاہب الاسلامیہ ص ۵۳۵

(۴۶) عباس محمود العقاد، التفکیر فریضۃ اسلامیہ ص ۱۰۲، ۱۰۳ (تبدیلی کے ساتھ) المکتبۃ العصریۃ بیروت

(۴۷) عبد القاہر البغدادی، الفرق بین الفرق، ص ۲۸۱، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، دار المعرفۃ، بیروت (تاریخ مذکور نہیں)

(۴۸) نفس مصدر ص ۲۸۴، ۲۸۵

(۴۹) نفس مصدر ص ۲۹۳، ۲۹۴ (تصرف کے ساتھ)

(۳۰) الشہرستانی، الملل والنحل ج ۱ ص ۱۹۵ (۳۱) نفس مصدر ج ۱۹۴

(۳۲) العقاد، التفکیر فریضۃ اسلامیہ، ص ۱۰۳

(۳۳) البغدادی، الفرق بین الفرق ص ۳۰۲

(۳۴) قرآن کریم الحدید: ۱۳ (۳۵) البغدادی الفرق بین الفرق ص ۳۰۱، ۳۰۲

(۳۶) التفکیر فریضۃ اسلامیہ ص ۱۰۳ (۳۷) البغدادی الفرق بین الفرق ص ۲۹۸

(۳۸) عباس العقاد، التفکیر فریضۃ اسلامیہ ص ۱۰۳

(۳۹) ابن حزم، الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج ۲ ص ۲۷، ۲۷۵، نیز ڈاکٹر سمیر فضل اللہ وفیہ ابن حزم و آراؤہ الکلامیہ والفلسفیہ، ڈاکٹریٹ کا رسالہ ص ۱۳۲

(۴۰) ابن حزم، الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج ۲ ص ۳۰۰، ۳۰۱

(۴۱) ڈاکٹر سمیر فضل اللہ ابو دالیہ ابن حزم ص ۱۳۲

(۴۲) مقدمہ ابن خلدون ص ۳۹۵، ۳۹۶ (۴۳) نفس مصدر ص ۳۹۶

(۴۴) قرآن کریم، النور: ۳۵

(۴۵) الراغب الاصفہانی الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ ص ۲۰۷

(۴۶) قرآن کریم المائدۃ: ۱۵، ۱۶ (۴۷) قرآن کریم النور: ۳۵

(۴۸) قرآن کریم البقرۃ: ۱۷۱ (۴۹) قرآن کریم الروم: ۳۰

(۵۰) قرآن کریم النور: ۳۵

(۵۱) الغزالی، معارج القدس فی مدارج معرفۃ النفس، منشورات دار الآفاق الجدیدۃ بیروت طبع پنجم ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء ص ۵۷، ۵۸

(۵۲) الغزالی کتاب العلم احیاء علوم الدین ۳ ص ۳۹ (مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی قاہرہ)

(۵۳) ابن تیمیہ درء تعارض العقل والنقل ج ۱ ص ۸۷ (تحقیق ڈاکٹر محمد رشاد سالم، السعودیۃ ۱۹۷۹ء)

(۵۴) نفس مصدر ص ۸۸، ۸۹ (۵۵) نفس مصدر ص ۱۳۷

(۵۶) عادل عبد الحلیم العسکری النزعۃ النقدیۃ عند المعتزلہ، رسالہ ماسٹر کلیۃ الآداب جامعہ عین شمس ۱۹۸۵ء ص ۳۴

(۵۷) نفس مصدر ص ۴۷

(۵۸) عادل عبد الحلیم النزعۃ النقدیۃ عند المعتزلۃ ص ۴۹

(۵۹) ڈاکٹر محمد عمارہ الاسلام وقضایا العصر، دار الوحدۃ بیروت ۱۹۸۴ء ص ۱۳۲

(۶۰) ڈاکٹر محمد عمارہ والغزو الفکری ص ۳۸ (۶۱) نفس مصدر ص ۳۹

اس مقالہ کی تیاری میں مصری مصنف فاطمہ اسماعیل کی تصنیف القرآن و النظر العقلی سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے جس کے لئے راقم ان کا شکر گذار ہے۔ یہ مقالہ انڈین کونسل آف فلاسوفیکل ریسرچ نئی دہلی کے تعاون سے شعبہ فلسفہ علی گڑھ یونیورسٹی کے ذریعہ ۱۳-۱۹ دسمبر ۱۹۹۸ء کی تاریخوں میں منظم کردہ سیمینار بعنوان ”اسلام میں تسلسل و تبدل“ میں پیش کیا گیا تھا کچھ حذف و اضافہ کے بعد اب اسے شائع کیا جارہا ہے۔

جین مت (۲)

جین مت کے ظہور کا تاریخی پس منظر

انیس احمد فلاحی

جین مت کے ظہور کے وقت ہندوستان میں برہمنی مت کا دور دورہ تھا۔ زندگی کے تمام ہی شعبوں پر برہمنوں کی اجارہ داری تھی اور خاص کر مذہب میں تو انھوں نے وہ افراتفری مچا رکھی تھی کہ خدا کی پناہ، مختلف عبادتوں، نئی نئی قسم کی پرستشوں، طرح طرح کے چڑھاووں، منتروں اور اعمال کا ایک ایسا مسلسل تار بندھا ہوا تھا کہ اس سے چھٹکارا پانا ایسا ہی محال تھا جیسے مکڑی کے جالے سے غریب مکھی کا، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کسی وقت بے جان رسوم اور اکتا دینے والے اعمال سے فرصت نہ تھی اور حرج یہ کہ دن بدن یہ زنجیریں اور کڑی ہوتی جاتی تھیں۔

جسم و روح کی اصلاح و تربیت کے بجائے صرف ظاہری رسوم اور عمل کی بالا دستی تھی، قربانی اور یگیہ کا کافی رواج تھا یگیوں میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں جانور ذبح کیے جاتے تھے بودھوں کے ایک مذہبی نوشتے "انوسل جنست" میں ہے

"بھگوان بدھ شراوستی میں رہتے تھے اس وقت پسینہ دی کوسل۔ جہ کا مہا یگیہ شروع ہوا۔ اس میں پانچ سو بیل پانچ سو بچھڑے، پانچ سو بچھیاں، پانچ سو بکرے اور پانچ سو مینڈھے کھمبوں سے بندھے ہوئے تھے۔"

ویدک ادب کے قدیم سنسکرت زبان میں ہونے اور اس کی تعلیم و تشریح پر صرف برہمنوں کی اجارہ داری کی وجہ سے ہندوستانی سماج میں دوسرا اور تیسرا درجہ رکھنے والے چھتری اور ویش ذات کے لوگوں کے لئے بھی صرف برہمنوں کے واسطے سے ہی مذہب سے کوئی استفادہ ممکن تھا۔ شودروں، اچھوتوں اور عورت ذات کے لیے عام مذہبی زندگی کے دروازے بالکل بند تھے۔

مذہبی تعلیم اور مقدس کتابوں پر برہمنوں کی محض اجارہ داری، طبقاتی نظام کی کشاکش شودروں اور عورتوں کے لیے ویدک ادب سے استفادہ کی ممانعت کی وجہ سے لوگ اس نظام سے چھٹکارے کے شدید خواہش مند تھے۔ یہ حالات تھے جب مہاویر جین سوامی نے اہنسا کا پرچار کیا

روح و جسم کی اصلاح کی جانب توجہ دلائی مایوسوں کو آس دی، امیر و غریب، برہمن اور شودر سب کو ایک نظر سے دیکھا، مساوات اور اخوت کی صلائے عام دی اور ہندوستان کی ایک قابلِ ذکر آبادی کو جین مت کا پیرو بنالیا۔

بانی مذہب کون؟

عموماً مہاویر جین سوامی کو ہی جین مت کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن تاریخی اعتبار سے یہ نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ اس امر کے قوی شواہد موجود ہیں کہ جین مت مہاویر کی پیدائش سے قبل موجود تھا حقیقت یہ ہے کہ آپ صرف ایک راہب تھے جنھوں نے اپنے خاندانی مذہب "جین مت" کو اختیار کر لیا تھا۔ جین مت میں در آئی خرابیوں کی اصلاح اور اس کی اشاعت و استحکام کے لیے کی گئی آپ کی عظیم خدمات نیز موجودہ "یگ" کے آخری "تیرتھنکر" ہونے کی بناء پر جین روایت میں مہاویر کو وہ مقام حاصل ہے جس کی وجہ سے عام طور پر آپ کو ہی اس مذہب کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

مہاویر جین کی پیدائش ۳۰ "چیت" کو ۵۹۹ ق م میں مشرقی ہندوستان کے مشہور صوبہ بہار کے شہر ویشالی کے ایک نواحی گاؤں کنڈ پور (بعض روایتوں میں بساڑ کا ذکر ملتا ہے) میں ہوئی تھی۔

آپ کا اصلی نام وردھمان تھا، آپ کے والد کا نام سدھارتھ تھا جو ایک کشتری فرقہ کے امیر تھے اور والدہ کا نام ترشالا تھا جو ویدیہ کے راجہ کی بہن تھیں، مہاویر دو بھائی اور ایک بہن تھے۔ بھائی کا نام نندی وردھن اور بہن کا نام سوردرشن تھا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت راج محل میں ہوئی، اعلیٰ تعلیم، فنونِ لطیفہ نیز عسکری تربیت کے لیے پھر آپ کو ایک مدرسہ میں داخل کر دیا گیا۔

آپ بڑے منکسر المزاج اور عالی حوصلہ تھے۔ بچپن ہی سے مذہبی غور و فکر کی طرف مائل تھے۔ لیکن والدین کی مرضی نہ پا کر آپ گرہست کی زندگی گزارتے رہے عنفوانِ شباب میں آپ کی شادی ایک باحیثیت گھرانے کی صاحبزادی یشودھا سے ہوئی تھی جن سے ان کے ایک لڑکی "انوجا" نام کی ہوئی جس کی شادی شہزادہ جمالی سے ہوئی تھی دگامبر فرقہ کے نزدیک آپ نے مجرد زندگی گزاری ہے۔ تیس سال کی عمر میں جب آپ کے والدین کا انتقال ہو گیا تو آپ نے اپنی

تمام دولت غریبوں میں تقسیم کر دی اور گھر بار چھوڑ کر انتہائی ریاضت میں محو ہو کر سنیاسی بن گئے۔ سنیاس کے دوران اپنے خاندانی مذہب "جین مت" کے مطابق انھوں نے مختلف قسم کی ریاضتوں کا سلسلہ شروع کیا، جس میں ترک دنیا کی انتہائی صورت اختیار کرنے کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو ستر پوشی سے بھی بے نیاز کر لیا۔ بارہ سال کی سخت ترین ریاضتوں کے بعد "جامبھک" نامی گاؤں کے پاس "رجو پالیکا" ندی کے ساحل پر ان کو معرفت کا اعلیٰ ترین مقام کیولیہ حاصل ہوا۔ اسی وقت سے انھیں "کیولن" کہا جانے لگا۔ مادی خواہشوں پر فتح پانے کی وجہ سے "جین" ارہت (قابل پرستش) مہاویر (عظیم بہادر) جیسے القاب سے آپ کو پکارا جانے لگا۔

معرفت کے حصول کے بعد چاروں طرف گھوم پھر کر آپ اپنے مذہب کی اصلاح و اشاعت میں لگ گئے۔ اس دوران علاوہ متعدد معتقدین کے آپ نے گیارہ خاص شاگردوں کی ایک جماعت بنائی جس نے آپ کے بعد جین مت کی اشاعت اور ترقی کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا۔

پاوا پوری (پٹنہ کے نزدیک ایک مقام) میں انھوں نے ۷۲ سال کی عمر میں ۵۲۷ ق م میں وفات پائی۔ ■

دعا

تقا عابدی

یا رب چمن زیست کو گلہائے اماں دے
نفرت بھرے ماحول کو الفت کا سماں دے

ہم اہل جہاں کے لیے ہوں باعث صد رشک
وہ فکر وہ کردار دے وہ حسن بیاں دے

ہے دھوپ کا یہ شہر میں بے سایہ ہوں اللہ
سر اپنا چھپانے کے لیے مجھ کو مکاں دے

پھر لشکر اغیار بربریت سے ہو دوچار
پھر بازوئے ملت کو وہی تاب و تواں دے

نجدے کی زمیں نرغۂ اعداء میں ہے اللہ
قولی و خالد سا اس امت کو جواں دے

ذکرِ جلیلؒ ضمیمہ (۴)

عبد البر اثری فلاحی

مولانا مرحوم نے جس طرح تحریکی ضرورت کے تحت سادہ اور سلیس زبان میں تحریکی و اصلاحی نقطۂ نظر سے "زادِ راہ" "راہِ عمل" اور "سفینۂ نجات" کے نام سے منتخب احادیث کے مجموعے تیار فرمائے تھے اسی طرح مولانا اصلاحی و تحریکی نقطۂ نظر سے سلیس و عام فہم ترجمے اور مختصر و دل نشین تشریحات پر مشتمل منتخب آیات کا مجموعہ بھی تیار فرما رہے تھے جس کا پورا اندازہ آپ کے مسودات میں موجود ہے۔ آپ نے پورے قرآن سے آیات منتخب کر رکھی تھیں بہت سے منتخبات کے ترجمے بھی درج ہیں اور بعض منتخبات پر آپ کی تشریحات بھی موجود ہیں جو گویا ایک طرح سے مکمل ہی ہیں اور قابل استفادہ بھی بطور نمونہ ایک ہم آگے نقل کریں گے۔ کوشش رہے گی کہ ان کو مکمل شکل میں بھی آئندہ جلد از جلد افادۂ عام کے لیے شائع کر دیے جائیں۔۔۔

مولانا کے مخطوطہ مسودات میں پیش نظر منتخبات کی جو تفصیل موجود ہے وہ حسب ذیل ہے۔

بنی اسرائیل ۷۸۔۸۸، یوسف ۳۳۔۳۵، یونس ۷۰۔۷۱، یونس ۹۴۔۹۶،
یونس ۹۸۔۹۹، حجر ۳۰۔۳۵، القصص ۲۱، الانبیاء ۸۷۔۸۸، مریم ۱۲۔۱۵، الشعراء ۸۳۔۸۷،
النمل ۱۹، یوسف ۱۰۰، ۱۰۱، ابراہیم ۳۵۔۴۱، آل عمران ۸۹۔۱۹۳، الاحقاف ۹، ۸۳۔۸۶،
الاعراف ۱۲۵۔۱۲۶، آل عمران ۱۴۔۱۷

ان کے علاوہ بھی چند منتخب آیات بھی درج ہیں جن پر آپ نے مختلف

مواقع پر مختلف اجتماعات وغیرہ میں درس دیے ہیں الحمدللہ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی صاحب نے ان میں سے بیشتر کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے جو "نقوش راہ" کے نام سے اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی۔۲ سے شائع ہو چکی ہے لہٰذا اس کی تفصیلات وہاں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

اے کاش کسی "شاگرد رشید" کو یہ توفیق مل جائے کہ وہ مندرجہ بالا ادھورے کام کی تکمیل کر کے مولانا کی روح کو بھی سکون پہنچائے اور ایک اہم ضرورت کی تکمیل کی سعادت حاصل کرے کہ ایسے مجموعے کی آج بھی اشد ضرورت ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ إِذْ نَادٰى
رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ
الرَّأْسُ شَيْبًا وَّلَمْ أَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَإِنِّيْ خِفْتُ
الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَأَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ
لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ
رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ
رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ
مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَأَتِيْ
عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ
هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝
قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ
لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحٰٓى إِلَيْهِمْ
أَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنٰهُ
الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَّ
بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ
وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ (مریم ۱-۱۵)

ترجمہ: کھیعص یہ سورہ جس کا نام ہے اس رحمت کا ذکر کرتی ہے جو آپ کے رب نے بندے زکریا پر کی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ زکریا نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا (غالباً تہجد کی نماز اور زور سے نہیں بلکہ دل میں اور ایسی دعا اپنے اندر بہت زیادہ خشوع و خضوع رکھتی ہے) انہوں نے کہا کہ اے میرے رب میرے جسم کی تمام ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر کے بالوں میں سفیدی پوری طرح پھیل گئی ہے۔ (یعنی بہت بوڑھا ہو گیا ہوں، معمولی کام بھی انجام دینے کے قابل نہیں رہا) اور اپنے بعد مجھے ان رشتہ داروں سے اندیشہ ہے (وہ دین کا کام نہیں کریں گے) اور میری بیوی ناقابل اولاد ہے پس تو اپنی طرف سے مجھے ایک مددگار عطا فرما (یعنی ایک لڑکا دے جو دین میں میرا مددگار ثابت ہو) جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب اس کو ہر حال میں تیرے فیصلے پر راضی اور خوش رہنے والا بنا دے۔ (چنانچہ زکریا کی اس درد و سوز میں ڈوبی ہوئی دعا جو اتنے اونچے مقصد کیلئے تھی سن لی) فرمایا اے زکریا ہم تمہیں ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے یعنی یہ وہی لڑکا ہے جو یحییٰ کے نام سے مشہور ہے اس صفت کا کوئی لڑکا ہم نے بنی اسرائیل میں اس سے پہلے نہیں پیدا کیا۔ حضرت زکریا نے کہا اے میرے رب کس طرح میرے یہاں کوئی لڑکا ہو گا جب کہ میری بیوی ولادت کے قابل نہیں ہے اور میں بھی بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔ اللہ نے فرمایا بات یوں ہی ہے۔ (لڑکا ہو گا اگرچہ تم بوڑھے ہو اور بیوی بانجھ ہے) تمہارا رب کہتا ہے کہ یہ کام میرے لئے بہت آسان ہے اور میں نے تم کو اے زکریا اس سے پہلے پیدا کیا جب کہ تم کچھ نہیں تھے۔ زکریا نے کہا اے میرے رب اس بڑی نعمت ملنے کی کوئی مخصوص علامت مقرر فرما دے اللہ نے کہا کہ تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم بھلے چنگے ہونے کے باوجود تین دن

تمہاری زبان بند رہے گی بول نہ سکو گے اس کے بعد وہ بیت المقدس کے بالاخانہ سے جہاں وہ عبادت کر رہے تھے نکلے اور لوگوں کو اشارۃً بتایا کہ خوب زور شور سے تم لوگ دن میں اور رات میں ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جاؤ کیوں کہ ایک بڑی نعمت ملنے والی ہے (چنانچہ یحییٰ پیدا ہوئے اور ان کے والد نے ان کو تورات کی تعلیم دی اور تربیت کی جس کے نتیجے میں وہ بچپن ہی میں علم و حکمت سے بہرہ ور ہو گئے نہایت شفیق تھے انسانیت کے دردمند تھے، اخلاقی پاکیزگی کے نمونہ تھے، خدا سے ڈرنے والے تھے اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے تھے نہ وہ متکبر تھے نہ وہ نافرمان تھے انہیں باتوں کو اگلی آیتوں میں فرمایا گیا۔)

اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ہم نے یحییٰ کو بچپن ہی میں حکمت سے نوازا تھا اپنے پاس سے انہیں شفقت ہمدردی اور اخلاقی پاکیزگی بخشی تھی اور وہ متقی تھے اور اپنے والدین کے ساتھ رحیمانہ سلوک کرنے والے تھے اور نہ متکبر تھے اور نہ نافرمان اور ان پر خدا کی طرف سے سلامتی اور رحمت نازل ہوئی اس دن جس دن ان وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ ہو کر اٹھیں گے (مطلب یہ ہے کہ شروع سے آخر تک ان پر خدا کی رحمت رہی۔ اور قیامت میں وہ خدا کی رحمت سے شاد کام ہوں گے۔)

تشریح: آیتوں کی ایک حد تک تشریح تو متن میں ہو چکی ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں البتہ یہ بات جاننے کی ہے حضرت زکریا علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل عام طور پر اخلاقی، اور دینی زوال کے شکار تھے دین سے دلچسپی بہت کم رہ گئی تھی اور دنیا ان کا نصب العین بن گئی تھی ان کے اخلاقی زوال کے دھارے کو موڑنے کی حضرت زکریا نے بہت کوشش کی۔ یہاں تک کہ اسی میں انہوں نے اپنے بال سفید کر لئے اور بڑھاپے تک ان کو کوئی اولاد نہیں

تھی۔ جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا ویسے ویسے یہ فکر بڑھتی جاتی کہ ہم بوڑھے ہیں کوئی بچہ ہوتا تو اس کی تربیت کرتے اور اس کو دین کا خادم بناتے اس خواہش اور فکر نے دعا کی شکل اختیار کی سب سے پہلے انہوں نے اپنی بیچارگی خدا کے سامنے رکھی اور پھر ضرورت پیش کی اس میں بھی وہ نہیں کہتے کہ مجھے لڑکا دے جو بڑھاپے میں ان کی لٹھیا ہوتے یا ایک لونڈی دے بلکہ دین کا خادم مانگا اور اس خواہش کے ساتھ کہ حضرت یعقوب کے خاندان میں نبوت کی جو میراث چلی آرہی ہے اس کا وہ وارث ہو، پیغمبری سے سرفراز ہو۔ اور ہر حالت میں وہ راضی برضا رہے چنانچہ اللہ نے ان کی دعا سن لی اور یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا ان کو دیا جن کی خصوصیت وہ ہیں جو ان آیتوں میں بیان ہو گئی ہیں۔ تورات میں تحریف کرنے والوں نے ان کے اوپر جتنی کیچڑ اچھالی ہے سب کی تردید کی گئی ہے معلوم نہیں کن اسباب کے تحت یہود کے تحریف بازوں نے ان کی سیرت کو بہت ہی داغدار بنا کر پیش کیا ہے۔

ہم مسلمان آج ایسے ہی اخلاق پستی کے دور سے گذر رہے ہیں اس دور میں اس امت کے اندر سے ایک گروہ کو ضرور ایسا ہونا چاہئے کہ وہ زکریا کے طرز پر سوچے اور ان کی سی کوشش و تمنا رکھے۔

الحمد للہ مولانا صدر الدین اصلاحیؒ پر خصوصی شمارے کی تیاریاں جاری ہیں۔ اس سلسلے میں فاضل مقالہ نگاروں سے التماس ہے کہ وہ جلد اپنے مقالات روانہ فرمائیں۔ یاد دہانی کے خطوط بھیجے جاچکے ہیں۔ نہ ملنے پر اس اطلاع کو کافی سمجھیں۔ تاخیر کی صورت میں انتظار کا صبر آزما مرحلہ ہر ایک کے لئے گراں ہوگا۔ "مدیر"

عورتوں کا اپنے نام کے ساتھ خاوند کا نام جوڑنا کیسا ہے؟

ابو ارقم فلاحی

سوال: آج کل عورتیں اپنے خاوند کا نام اپنے نام کے ساتھ جوڑ لیتی ہیں، تو کیا زوجیت کی تصریح کے بغیر ایسا کرنا جائز ہے جبکہ عرف عام میں باپ کا نام جوڑا جاتا ہے؟

الجواب و باللہ التوفیق

عورت کا اپنے خاوند کے نام کا اپنے نام کے ساتھ جوڑنا از روئے شریعت درست نہیں ہے، کیونکہ:

(۱) اس میں نسب کے گڈمڈ اور خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہے، خصوصاً اس فتنہ کے دور میں اگر عورت کے دستاویزی کاغذات پر شوہر کا نام بغیر زوجیت کی صراحت کے درج ہو تو طلاق اور شوہر کی وفات کی صورت میں عورت اپنے آپ کو اس کی بیٹی بتلا کر اس کی پدری جائیداد کے استحقاق کا دعویٰ کر سکتی ہے؟

(۲) خاوند کے نام کو اپنے نام کے ساتھ جوڑنا یورپی تہذیب کی دین ہے، اسلامی تہذیب میں والد کے نام کا رواج رہا ہے۔ قرآن کریم میں ہے "وادعوھم لآبائھم" (سورۃ الاحزاب: ۵) "(منہ بولے) بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو" اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زید کو زید بن محمد کے بجائے ان کے حقیقی باپ کی نسبت سے زید بن حارثہ کہا جاتا تھا۔ مزید برآں اس آیت کے نزول کے بعد یہ بات حرام قرار دے دی گئی کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے۔ (بخاری، مسلم)

نیز پوری اسلامی تاریخ میں خاوند کا نام جوڑنے کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لہٰذا اسلامی تہذیب و تمدن کے تحفظ و بقا اور یورپی تہذیب کی مخالفت کے پیش نظر خاوند کا نام جوڑنا حرام ہوگا۔

حررہ: عتیق ذوالنعم عفا اللہ

ابو عبد الرحمان عمار فلاحی

نقوش راہ

از مولانا جلیل احسن ندوی جمع و ترتیب محمد رضی الاسلام ندوی

کتابت و طباعت: عمدہ قیمت ۵۰ روپے صفحات: ۱۳۱

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن ۱۷۸۱، حوض سوئیوالان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

مولانا سید احمد عروج قادری نے ایک موقع سے مولانا جلیل احسن ندوی کے سلسلے میں لکھا تھا:

"جناب مولانا جلیل احسن ندوی کا مطالعہ قرآن وسیع ہے اور سالہا سال سے ان کے اوقات کا بڑا حصہ قرآن کریم کی تعلیم اور اس کے گہرے مطالعہ ہی میں صرف ہو رہا ہے۔"

مولانا جلیل احسن ندوی کے شیدائے قرآن اور ماہر قرآن ہونے کی اس شہادت کے بعد مزید اس پہلو پر کلام کی ضرورت نہیں، جو بھی مولانا کی قرآنی خدمت کا مطالعہ کرے گا اس کی تصدیق کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مولانا کی یہی خوبی تھی کہ جب بھی کوئی اہم پروگرام ہوتا، آپ کے دروس قرآن و حدیث رکھے جاتے اور انھیں مرتب کر کے اور مختلف رسائل میں چھپنے بھی رہتے مطالعے پر اوقات آپ تربیتی و اصلاحی نقطہ نظر سے دروس تیار فرما کر مختلف رسائل کو بھیجا کرتے تھے۔

پیش نظر مجموعہ مولانا کے انہی دروس قرآن و حدیث ہی سے صرف چند پر مشتمل ہے ان میں سے بیشتر ماہنامہ زندگی رامپور میں شائع ہوئے تھے۔

دروس دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے "نقوشِ راہ" کی حیثیت رکھتے ہیں غالباً اسی لیے فاضل مرتب نے مجموعہ کا نام "نقوشِ راہ" منتخب کیا ہے۔ میں فاضل مرتب کو اس خدمت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں ہر چند کہ تھوڑی اور محنت کرکے سارے دروس یکجا کرکے اسے مزید مفید اور موثر بنایا جاسکتا تھا لیکن جس قدر بھی زحمت اٹھائی یہ ان کا احسان ہے۔ ورنہ محو فکر یہی ہے کہ انہیں جمع کرنے کی توفیق ہو اور امت شاگردوں میں سے کسی کو بھی درس شائع کرنے کی سعادت جلد "فلاح" جماعت کے مکتبات کو حاصل ہوگی۔

ضرورت ہے کہ بقیہ دروس بھی جمع کرکے شائع کئے جائیں اور "زادِ راہ" و "زادِ محل" وغیرہ کے انداز پر تربیتی، اصلاحی نقطہ نظر سے منتخب آیات کا جو مجموعہ زیر ترتیب تھا اسے بھی آخری شکل دے کر طبع کردیا جائے تاکہ ان کے اندر جو موتی جواہر موجود ہیں ان کا افادہ عام ہو۔

مولانا کے درس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ الفاظ کی اصل اور نظم کی روشنی میں جا بجا ایسی تشریحات فرماتے ہیں کہ بہت سی الجھنوں کا ازالہ ہو جاتا ہے اور اصل مدعا نکھر کر سامنے آجاتا ہے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) "عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا" (بنی اسرائیل ۷۹) کی تشریح فرماتے ہیں "آیت کے آخری جملے کا جو مفہوم بیشتر علماء تفسیر نے لکھا ہے اس کا بھی ایک محل ہے ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں نہ اس کی تحقیر لیکن ہماری سمجھ میں سیاق و سباق اور نظم کے پہلو سے جو مفہوم آتا ہے وہ پیش خدمت ہے۔

"بعث" کے معنی بھیجنے کے ہیں مقام اور مقام محمود دونوں کے معنی ایک ہیں یہ لغت میں بھی ہے گا اور قرآن میں بھی۔ محمود کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف کی جائے۔ جس پر خدا کا شکر بجالایا جائے جو ہر لحاظ سے عمدہ اور بہتر ہو حمد کے معنی اصلاً

شکر کے ہیں، تعریف کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ اہل لغت نے لکھا ہے۔

پس آیت کے اس آخری جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ وقت آنے ہی والا ہے جب تمہارا رب تم کو اس مقام پر پہنچا دے گا یا پہنچا دے گا جہاں پہنچنے کے بعد تمہاری زبانوں پر حمد و شکر کے کلمات جاری ہوں گے۔ تمہارے دل جذبۂ سپاس سے معمور ہوں گے تم اللہ کا شکر ادا کرو گے کہ اس نے نہایت محفوظ مقام پر پہنچا دیا تم کہو گے کہ خدا نے جس مقام کو قرآن میں "صدق" کے لفظوں میں بیان کیا ہے وہ یہ مقام ہے بہت ہی عمدہ و بہر لحاظ سے بہتر اور محفوظ مقام۔ چنانچہ سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ خدا نے اپنی حکیم کس طرح پوری کی۔ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ "یثرب" کے گھر گھر میں اسلام پھیلا اور عقبہ کی تاریک رات میں مدنی اہل ایمان نے آپ کو اور اپنے مظلوم بھائیوں کو "یثرب" آنے کی دعوت دی چنانچہ مومنین اور آخر میں نبی اکرم ﷺ وہاں منتقل ہوگئے اور اس طرح "یثرب" ہی کا شہر (مدینہ) ان کی غرض خدا کا وعدہ پورا ہوا ہم نے بڑے اختصار کے ساتھ ان کا مفہوم پیش کردیا ہے قرآن کے سامنے تحقیق و تائید کی خاطر۔" (ص ۴۷-۴۸)

(۲) "فلما سمعت بمکرھن ارسلت الیھن واعتدت لھن متکأ واتت کل واحدۃ منھن سکینا وقالت اخرج علیھن فلما رأینہ اکبرنہ وقطعن ایدیھن وقلن حاش للہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم" (یوسف : ۳۹)

اس آیت کی تشریح فرماتے ہیں:

"جب عزیز مصر کی بیوی نے سنا کہ فلاں اور فلاں چند بیگمات اس کی بات کو ... کرنے اور معاشرے کی نگاہوں سے گرانے والی باتیں پھیلا رہی ہیں تو اس نے انہیں دعوت طعام دے کر بلا بھیجا ان کے لیے پر تکلف نشست گاہ فراہم کی پر تکلف طعام تیار کرایا اور ان کے پاس یوسف کو بھیجا وہ خوب جانتی تھی کہ یہ کتنے پر

تھیں۔ اسے خوب معلوم تھا کہ یہ عورتیں جب یوسف کو دیکھیں گی تو اپنے دل سے بیٹھیں گی اور ان کی زبانیں ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یوسف کو دیکھتے ہی بے خود ہو گئیں۔ مجلس برخاست ہو گئی۔ عزیز کی بیوی نے ہر ایک کو موقع دیا کہ وہ یوسف سے ملے، محبت کی باتیں کرے، اپنے ناز و ادا سے انہیں اپنانے کی کوشش کرے۔ پر یہ سب اپنے مقصد میں ناکام ہو گئیں۔ یوسف کسی کے جال میں نہ پھنسے۔ انھوں نے اپنی ناکامی کا اعتراف کیا اور کہا کہ یوسف گناہ سے پاک فرشتہ ہیں۔ یہ انسان ہوتے تو ہمارے جال میں ضرور پھنس جاتے۔ ہم نے اپنی تمام عملی قوت صرف کر ڈالی، جتنے داؤ ہمیں آتے تھے سب استعمال کئے، سب ناکام ہو گئے۔

یہاں یہ بات نوٹ کیجئے کہ یہ سب کچھ ایک ہی محفل میں نہیں ہو گیا جیسا کہ لوگ سمجھتے اور لکھتے ہیں۔ عشق کی فطرت تنہائی اور خلوت چاہتی ہے۔ پہلی مجلس تو یوسف کی رونمائی کی مجلس تھی۔ اس کے بعد ہر عورت نے یوسف پر تنہائی میں ڈورے ڈالے اور عزیز مصر کی بیوی نے ان میں سے ہر ایک کو یوسف سے تنہائی میں ملنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ یہ بات اللہ ہی کے علم میں ہے کہ یہ کاروبار عشق کتنے دنوں تک چلتا رہا ہو گا آخر ناکامی پر ختم ہوا اور انہیں کہنا پڑا کہ

تمہارے کسی طرح نہ ہوئے
مر گئے سو طرح سے مر لیکن

حضرت یوسف کو ان عورتوں کے پاس بھیجنا یہ وہ چھری ہے جس نے سب کی زبانیں کاٹ دیں۔ وہ اس لائق نہیں رہ گئیں کہ عزیز مصر کی بیوی کے خلاف زبانیں کھولیں اور اس پر طنز و تشنیع اور ملامت کے تیر برسائیں۔ بہت سے علماء نے "قطعن" کی تفسیر یوں کی ہے کہ چھری سے پھل کھا رہی تھیں کہ اتنے میں یوسف ان کی مجلس میں آ گئے۔ ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر سب عورتوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تاکہ یوسف کو بتا دیں کہ اگر انہوں نے ان کی خواہش

پوری نہ کی تو وہ جان دے دیں گی۔ بعض لوگوں نے ان کی توجیہ کی ہے کہ اگر ان کی بات نہ مانی تو اس طرح ہاتھ زخمی کر کے یہ ثابت کریں گی کہ یوسف ہماری آبرو لوٹنا چاہتے تھے۔ ہم نے انکار کیا تو انہوں نے ہم پر چھری سے حملہ کر دیا۔ چنانچہ دیکھو ہمارے ہاتھ کس طرح زخمی ہوئے ہیں۔ ہم ان دور از کار توجیہات پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ بات لمبی ہو جائے گی۔ ہم صرف یہ بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری رائے پر بھی غور کیا جائے۔ بلا آئے تو قبول کیجئے ورنہ رد کر دیجئے۔ یہ کمائی کر او نہ دیجئے۔ ہماری رائے میں "اعتدت لہن متکئا" والے جملے کی تعبیر "اخرج علیہن" ہے۔ یہی چھری ہے جس سے بیگمات کی زبانیں کٹ گئیں اور "قطعن" والے جملے کا مطلب یہ ہے کہ جتنے داؤ یوسف کو پھانسنے کے لئے انہیں آتے تھے سب استعمال کر ڈالے پر کامیاب نہ ہو سکیں۔ "تقطیع" قوت کے معنی میں ہر لغت میں ملے گا اور قرآن مجید میں سورہ "ص" آیت نمبر ۴۵ میں انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد فرمایا "اولی الایدی والابصار" جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات علمی بصیرت اور عملی قوت سے بہرہ ور تھے۔ رہی "قطعن" کی بات تو اس کو ختم کرنے کے معنی میں لینے میں کیا قباحت ہے۔ بلکہ قطع مسافت اور قطع رحم کا استعمال معروف ہے۔ سورہ توبہ آیت نمبر ۱۲۱ میں بھی آیا ہے۔" (ص ۸۰-۸۲)

توجہ طلب

تمام فلاحی برادران کی علمی کاوش کو جمع کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں تمام فلاحی برادران سے گذارش ہے کہ وہ اپنی علمی کاوشیں "نفس انجمن طلبہ قدیم" کو روانہ فرمائیں۔ خواہ وہ تصانیف کی شکل میں ہوں یا تراجم، پمفلٹ، مضامین وغیرہ شکلوں میں ہوں۔ اس ضمن میں اگر کوئی دشواری محسوس کریں تو اس سے مطلع فرمائیں۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

دوسری ششماہی کا آغاز ۱۹؍ جون ۹۹ء سے دوسری ششماہی کا آغاز ہو چکا ہے۔ تازہ دم ہو کر نئے حوصلوں کے ساتھ اساتذہ و طلبہ تعلیمی سرگرمیوں میں مشغول ہو چکے ہیں، اگرچہ طلبہ کی آمد کی رفتار سست ہے۔

الحمد للہ جملہ شعبہ جات کے ششماہی امتحان کے نتائج بھی سنائے جا چکے ہیں، عنقریب نتائج کارڈ سرپرستوں کو روانہ کر دیئے جائیں گے، بحیثیت مجموعی نتائج ٹھیک ہیں، اللہ ہر ایک کو مزید بہتر کارکردگی کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

مرکزی لائبریری کی افتتاحی تقریب مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح نے یہ طے کیا ہے کہ مرکزی لائبریری کی افتتاحی تقریب منائی جائے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی ہے جس کے کنوینر مولانا ابو البقاء صاحب ندوی نائب ناظم جامعہ مقرر کئے گئے ہیں۔ اس کمیٹی کے ممبران حسب ذیل ہیں: [۱] مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی [۲] مولانا فخر الاسلام صاحب اصلاحی [۳] مولانا عنایت اللہ صاحب فلاحی [۴] مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی۔

یہ تقریب ان شاء اللہ اکتوبر ۹۹ء میں منعقد کی جائے گی (معینہ تاریخ سے ان شاء اللہ بعد میں باخبر کیا جائے گا) جس میں اندرون ملک اور بیرون ملک سے معزز شخصیات کی شرکت متوقع ہے۔ اس موقع سے بہی خواہان جامعہ کو بھی خصوصی طور پر مدعو کیا جائے گا۔ افتتاح کے ساتھ ساتھ طلبہ و طالبات کے تعلیمی مظاہرے اور تقسیم اسناد کے پروگرام بھی اس کا لازمی حصہ ہوں گے۔

الحمد للہ اس پروگرام کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو چکی ہیں۔

نئی تقرری دفتر نظامت میں بحیثیت کلرک جناب ظفر احمد صاحب ندوی کی تقرری عمل میں آئی ہے، آپ ضلع سنت کبیر نگر کے رہنے والے ہیں۔ ۹۵ء میں ندوہ سے عالمیت کی ہے۔ ۱۶؍ مئی ۹۹ء سے آپ نے ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں، اللہ انھیں بیش از بیش خدمت کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔

مولانا جمیل احمد صاحب فلاحی کو صدمہ ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے انتہائی

افسوس ہے کہ مولانا جمیل احمد صاحب فلاحی (استاذ شعبۂ عالی) کی والدہ محترمہ زیب النساء صاحبہ ۲۸؍ مئی ۹۹ء کو انتقال فرما گئیں "إنا للہ و إنا إلیہ راجعون" عمر ۹۰ سال تھی، ادھر کچھ دنوں سے مسلسل علیل تھیں۔ صوم و صلوٰۃ کی انتہائی پابند تھیں، نوافل کا خاص اہتمام کرتی تھیں، اللہ سے دعا ہے کہ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

مولانا عبد الحسیب صاحب فلاحی کو صدمہ ۲۱؍ جون ۹۹ء بروز دوشنبہ اچانک یہ خبر ملی کہ مولانا عبد الحسیب صاحب فلاحی (نگراں عدیلہ منزل) و مولانا عبد المجیب صاحب فلاحی کی والدہ محترمہ فاطمہ خاتون صاحبہ ۷۰ سال کی عمر میں اللہ کو پیاری ہو گئیں، "إنا للہ و إنا إلیہ راجعون" انتہائی دیندار اور سادہ خاتون تھیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

تعزیتی خط

مکرمی و محترمی — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ڈاکٹر سید عبد الحفیظ سلفی صاحب کے وفات کی خبر [illegible] گزری۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون " مرحوم انتہائی مخلص، بہت کشادہ ظرف، دردمند دل اور تعمیری ذہن رکھنے والے انسان تھے بالخصوص جماعت اسلامیہ کی تعلیمی و اخلاقی پس ماندگی کو دور کرنے میں ہمہ تن مصروف رہے، [illegible] مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی تاسیس اور [illegible] دربھنگہ کے قیام میں ان کا نمایاں رول ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ خوبیاں تھیں کہ آپ جماعت اہل حدیث کے صدر بھی منتخب ہوئے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر بھی رہے اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ آپ کے انتقال سے امت مسلمہ ایک دور اندیش، وسیع النظر اور ملی درد رکھنے والے رہنما سے محروم ہو گئی ہے۔ اللہ امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

انجمن طلبہ قدیم آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

والسلام

شریک غم (رحمت اللہ اثری)

ساتواں اجلاس عام

سکریٹری انجمن

اپریل میں منعقد مجلس شوریٰ کی میٹنگ میں ساتویں اجلاس عام کے موقع سے متوقع سیمینار کا تفصیلی خاکہ ترتیب دینے کے لئے ایک سیمینار کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اور جس کے کنوینر مولانا ابوالکلام صاحب فلاحی ازہری منتخب کئے گئے تھے۔ اس کمیٹی کی میٹنگ ۳ر جون ۹۹ء کو صدر انجمن مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی مدنی کی صدارت میں نئی دہلی میں منعقد ہوئی جس میں مندرجہ ذیل ارکان کمیٹی شریک رہے۔

[۱] مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی مدنی (صدر انجمن) [۲] مولانا ابوالکلام صاحب فلاحی ازہری (کنوینر کمیٹی) [۳] مولانا مولانا نعیم غازی صاحب فلاحی [۴] مولانا ابوذر صاحب فلاحی [۵] مولانا حمید المر صاحب فلاحی

مولانا عبید اللہ فہد صاحب فلاحی، مولانا منور حسین صاحب فلاحی اور مولانا خالد حامدی صاحب فلاحی مختلف اسباب سے شریک اجلاس نہ ہو سکے۔

مدعو خصوصی کی حیثیت مولانا مشرف حسین صاحب فلاحی، مولانا عبدالحق صاحب فلاحی مولانا طارق اکرام اللہ صاحب فلاحی، مولانا نعیم غازی صاحب فلاحی اور مولانا محمد ارشد صاحب فلاحی نے اس میٹنگ میں شرکت فرمائی۔

ابتداءً میٹنگ کی غرض وغایت اور مجلس شوریٰ کے اجلاس کی ضروری تفصیلات سے صدر انجمن نے شرکاء کو آگاہ کیا، پھر تبادلہ خیال شروع ہوا چونکہ جامعہ نے اکتوبر ۹۹ء میں مرکزی لائبریری کی افتتاحی تقریب کو بڑے پیمانے پر کرنے کا پروگرام بنایا ہے اس لئے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ انجمن طلبہ قدیم کا ساتواں اجلاس بھی اسی کے ساتھ رکھا جائے خصوصاً افتتاحی تقریب کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے اسے ضروری سمجھا گیا، اور چونکہ افتتاحی تقریب تعلیمی مظاہرہ اور تقسیم اسناد وغیرہ پروگرام پر محیط ہوگا اس لئے اس بار سیمینار نہ کیا جائے صرف انجمن کا تنظیمی اجلاس ہی رکھا جائے البتہ تمام فلاحی برادران جامعہ کے پروگرام میں

شرکت اور اسے کامیاب بنانے کو یقینی بنائیں۔

اس موقع سے دستور میں ترمیم اور طریقہ انتخاب میں تغیر شوریٰ کا ایجنڈا بھی زیر غور آیا، بالخصوص طریقہ انتخاب کے بارے میں یہ تجویز آئی کہ "ہر شعبہ (ادبیات و فضیلت) سے دو نمائندے منتخب کیے جائیں تو وہ سند کے کسی سال سے تعلق رکھتے ہوں اور تمام ارکان مزید دس نمائندوں کا انتخاب مجموعی طور پر کریں پھر یہ نمائندے صدر اور شوریٰ کا انتخاب کریں" یہ صراحت بھی رہے کہ شوریٰ کا ممبر ہونے کے لئے نمائندگان کا ممبر ہونا ضروری نہیں ہوگا۔

یہ طے پایا کہ جولائی ۹۹ء میں شوریٰ کا اجلاس بلا کر اس تجویز کی توثیق کرائی جائے اور پھر عام ارکان کی رائیں منگوا کر فیصلہ کرنے کے بعد اس کے مطابق انتخاب کرایا جائے۔

آخر میں مولانا ابوالکلام صاحب فلاحی ازہری کی دعا پر میٹنگ اختتام پذیر ہوئی۔ ☆

فلاحی برادران کی خدمت میں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید کہ مع اہل واحباب بعافیت ہوں گے۔

فی الحال یہ خبر آپ کے لیے باعث مسرت ہوگی کہ انجمن طلبہ قدیم کا ساتواں اجلاس عام ان شاء اللہ اکتوبر ۹۹ء میں مادر علمی میں منعقد ہوگا۔ جامعہ کی مرکزی لائبریری کی افتتاحی تقریب کے تناظر میں ۲۰۰۰ء کے بجائے اکتوبر ۹۹ء میں کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، لہذا آپ ابھی سے اس کے لئے ذہنی وعملی تیاریاں شروع کردیں۔

اس ضمن میں درج ذیل پہلوؤں پر فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

(۱) اپنے اور اپنے علاقوں میں موجود فلاحیوں کے پتوں سے فوراً دفتر انجمن کو مطلع کریں۔
(۲) اجلاس کے سلسلے میں اپنے مشورے جلد روانہ فرمائیں۔
(۳) مرکزی لائبریری کی افتتاحی تقریب کو کامیاب بنانے کے لیے مشورے اور تعاون ارسال کریں۔
(۴) اجلاس کی کامیابی کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں۔

اللہ ہمارا حامی وناصر ہو

والسلام

سکریٹری انجمن